مواعظِ اختر نمبر ۷۶

علمِ دین کی برکت اور فضیلت



شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ادارۂ تالیفاتِ اختریہ
hazratmeersahib.com

مواعظِ اختر نمبر ۷۶

علمِ دین کی برکت اور فضیلت

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ
حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناشر
اِدارہ تالیفاتِ اختریہ
بی ۳۸، سندھ بلوچ ہاؤسنگ سوسائٹی، گلستانِ جوہر بلاک نمبر ۱۲ کراچی
www.hazratmeersahib.com

بہ فیضِ صحبتِ ابرارؔ یہ دردِ محبت ہے
محبت تیرا صدقہ ہے ثمر ہے تیرے نازوں کے

بہ اُمیدِ نصیحت دوستو اِس کی اشاعت ہے
جو میں یہ نشر کرتا ہوں خزانے تیرے رازوں کے

انتساب

یہ انتساب
شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ
اپنی حیاتِ مبارکہ میں اپنی جملہ تصانیف پر تحریر فرمایا کرتے تھے۔

احقر کی جملہ تصانیف و تالیفات

مرشدنا و مولانا محی السنۃ حضرت اقدس شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
اور
حضرتِ اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
اور
حضرتِ اقدس مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
کی

صحبتوں کے فیوض و برکات کا مجموعہ ہیں

احقر محمد اختر عفا اللہ تعالیٰ عنہ

ضروری تفصیل

نامِ وعظ: علمِ دین کی برکت اور فضیلت

نامِ واعظ: محبی ومحبوبی مرشدی ومولائی سراج المِلّت والدّین شیخ العرب والعجم عارف باللہ
قطب زماں مجددِ دوراں حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ وعظ: ۲۳ شوال ۱۴۱۱ھ مطابق ۸ مئی ۱۹۹۱ء بروز بدھ
صبح ساڑھے دس بجے (افتتاح اسباق کے موقع پر بیان)
اور ۳۰ ستمبر ۱۹۹۲ء ؛ ۱۸ مارچ ۱۹۹۶ء

نوٹ: سامعین میں مولانا حبیب اللہ مختار صاحب مدظلہ، مفتی عبدالسلام صاحب مدظلہ
مولانا عبدالواحد صاحب مدظلہ بھی موجود تھے۔

مقام: مسجدِ اشرف، گلشن اقبال، کراچی

موضوع: حقیقی علم کیا ہے؟ علم دین کی اہمیت، قبولیتِ علم اور عمل کی پانچ شرائط

مرتب: حضرت اقدس سید عشرت جمیل میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ
خادمِ خاص وخلیفہ مجازِ بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ

اشاعتِ اوّل: ۱۲ محرم ۱۴۳۶ھ مطابق ۵ نومبر ۲۰۱۴ء

اشاعتِ دوم: محرم ۱۴۳۸ھ مطابق اکتوبر ۲۰۱۶ء

ناشر: ادارۂ تالیفاتِ اختریہ
بی ۳۸، سندھ بلوچ ہاؤسنگ سوسائٹی، گلستانِ جوہر بلاک نمبر ۱۲ کراچی

فہرست

عنوانات **صفحہ نمبر**

شاد باش و شاد ذی اے سرزمین دیو بند	ہند میں تو نے کیا اسلام کا جھنڈا بلند
ملتِ بیضا کی عزت کو لگائے چار چاند	حکمتِ بطحا کی قیمت کو کیا تو نے دوچند
اسم تیرا با مسمیٰ ضرب تیری بے پناہ	دیوِ استبداد کی گردن ہے اور تیری کمند
تو علم بردارِ حق ہے حق نگہباں ہے ترا	حیلِ باطل سے پہنچ سکتا نہیں تجھ کو گزند
ناز کر اپنے مقدر پر کہ تیری خاک کو	کرلیا ان عالمانِ دینِ قیم نے پسند
جان کر دیں گے جو ناموسِ پیغمبر[1] پر فدا	حق کے رستے پر کٹا دیں گے جو اپنا بند بند
کفر ناچا جن کے آگے بارہا تگنی کا ناچ	جس طرح جلتے توے پر رقص کرتا ہے سپند
اس میں قاسم ہوں کہ انور شہ کہ محمود الحسن	سب کے دل تھے دردمند اور سب کی فطرت ارجمند

(ظفر علی خان مرحوم)

[1] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علمِ دین کی برکت اور فضیلت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ○ (سورۃ طٰہٰ: آیۃ ۱۱۴) وَ قَالَ تَعَالٰی ھَلْ یَسْتَوِی
الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ط (سورۃ الزمر: آیۃ ۹) وَ قَالَ تَعَالٰی
اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا ط (سورۃ فاطر: آیۃ ۲۸)
وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَا اَعْلَمُکُمْ بِاللّٰہِ وَ اَخْشَاکُمْ لَہٗ
(مسند احمد: رقم الحدیث ۲۴۹۱۲؛ مرقاۃ المفاتیح: باب البکاء والخوف؛ ج ۹ ص ۵۴۱)

احبابِ کرام نے فرمائش کی ہے کہ کچھ باتیں میں عرض کر دوں، اس کے بعد پھر مشکوٰۃ شریف کا افتتاح کیا جائے گا، افتتاح کے لئے مولانا حبیب اللہ مختار صاحب مدیر جامعہ بنوری ٹاؤن اور مفتی عبدالسلام صاحب ان دونوں میں سے کوئی بھی افتتاح کروائیں گے، اس سے پہلے کچھ بزرگوں کی باتیں اور نصیحتیں سناتا ہوں۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اللہ والوں سے اور مشائخ اور بزرگانِ دین کی زبان سے جب دین کا علم، دین کی بات سنی جاتی ہے تو اس کا نفع بڑھ جاتا ہے۔ وہی چیز آپ کتابوں میں دیکھیں اور وہی چیز بزرگوں سے سنیں تو کتاب کا نور الگ اور اللہ والوں کے قلب کا نور الگ، دونوں نور مل کر پھر ان کی زبان سے اس علم کا فائدہ بڑھ جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے

جن صحابہ نے براہ راست حدیث سنی، ان کو جو نفع پہنچا، اب وہی حدیث ہم سنیں گے تو اس درجہ کا نفع نہیں ہوسکتا کہ ہم صحابی ہوجائیں، اسی لئے جن علماء نے اللہ والوں کی صحبت اٹھائی اور اپنے بزرگوں سے اور مشائخ سے دین حاصل کیا، ان کے اندر جو پختگی اور دین میں جو مضبوطی ہے وہ بات محض کتاب پڑھ کے عالم بننے والوں میں نہیں ہے۔

علم کی حقیقت کیا ہے؟

اور حقیقت میں علم کس چیز کا نام ہے؟ علم مفید جب ہوتا ہے جب اس کے ساتھ کچھ چیزیں اور مل جائیں، یہ کل پانچ چیزیں ہیں جن کی میں تفصیل بیان کروں گا:

(۱) علم (۲) علم پر عمل (۳) عمل میں اخلاص (۴) اخلاص بھی سنت کے مطابق ہو اور (۵) خوفِ قبولیت وعدم قبولیت۔

نمبر ایک: علم کے بعد عمل مل جائے جیسے کسی کو معلوم ہے کہ نیپا چورنگی پر کوئی خاص دوا ملتی ہے اور وہ وہاں جاتا نہیں ہے یا فلاں جگہ ایک بزرگ آئے ہوئے ہیں، اس کو علم تو ہوگیا مگر جا کر ان سے کچھ سیکھتا نہیں ہے تو اس کا علم مفید نہیں ہوا، اس لئے علم پر ناز کرنا یا جامع الملفوظات کو اپنے اوپر ناز کرنا یا جس کے قلم سے بہت سی کتابیں لکھ جائیں اس کا ناز کرنا، ایک احمقانہ روش ہے۔

پہلی آیت جو میں نے تلاوت کی ہے، رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا، اس میں اللہ تعالیٰ نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! آپ اللہ تعالیٰ سے علم میں زیادتی کے لئے دعا کیجیے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے پورے کلام پاک میں کسی چیز کی زیادتی کی درخواست کا حکم نہیں فرمایا سوائے علم کے اور اس کے ثبوت میں یہ روایت لکھی ہے:

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِیْ بِمَا عَلَّمْتَنِیْ وَعَلِّمْنِیْ مَا یَنْفَعُنِیْ وَزِدْنِیْ عِلْمًا۔ رواہ الترمذی و ابن ماجة))

(مشکوۃ المصابیح: (قدیمی)، کتاب الدعوات، باب جامع الدعاء، ص ۲۱۹)

اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وَمَا هٰذَا اِلَّا لِزِیَادَةِ فَضْلِ الْعِلْمِ (روح المعانی: ج ۱۶ ص ۶۸۷) یعنی یہ سب علم کی فضیلت کی زیادتی پر دلالت ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ علم بہت بڑی نعمت ہے، مگر علم کیا چیز ہے؟ شریعت میں علم کس چیز کا نام ہے؟

علم بلا عمل پر وعید

محدثِ عظیم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد تفسیر معالم التنزیل سے نقل کیا ہے:

((اَجْمَعَ اَصْحٰبُ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی اَنَّ کُلَّ مَنْ عَصَی اللّٰهَ فَهُوَ جَاهِلٌ))

(مرقاۃ المفاتیح: (رشیدیہ)، کتاب الآداب، ج ۹ ص ۴۷)

جو آدمی نافرمانی میں مبتلا ہے اور اپنے علم کے مقتضیٰ پر عمل نہیں کرتا وہ جاہل ہے اور اس کی وجہ کیا ہے؟

((لِاَنَّ الْعِلْمَ اِذَا لَمْ یَکُنْ مُوْرِثًا لِلْعَمَلِ فَلَیْسَ عِلْمًا فِی الشَّرِیْعَةِ))

(مرقاۃ المفاتیح: (رشیدیہ)، کتاب فضائل القرآن، جلد ۵ ص ۵)

جو علم سببِ عمل نہ بنے، جو علم ذریعۂ عمل نہ بنے شریعت میں اس کا علم معتبر نہیں ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ اپنے علم پر عمل نہیں کرتے، یہ جاہل ہیں اور ان کے جاہل ہونے پر جملہ اصحابِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اجماع نقل کیا ہے۔ اس کی وجہ وہی ہے کہ جو علم سببِ عمل نہ ہو وہ علم ہی نہیں ہے،

ایک شخص دیکھتا ہے کہ سانپ آرہا ہے اور بھاگتا نہیں ہے، ایک شخص دیکھتا ہے کہ کھلا ہوا شیر سامنے ہے اور اس سے خوف زدہ نہیں ہوتا تو معلوم ہوا اس کی عقل میں کچھ خرابی ہے، اس کو ہسپتال بھیجنا چاہیے۔

اہلِ علم اور اہل جہالت کون لوگ ہیں؟

اور دوسری آیت جو تلاوت کی تھی:

﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ط﴾

(سورۃالزمر: آیۃ ۹)

اہلِ علم کے مقابلے میں بے علم لوگ برابر نہیں ہوسکتے، اکثر لوگ اس کا مفہوم نہیں سمجھتے، اس سے مراد مطلق علم کو لے لیتے ہیں مگر علامہ آلوسی السید محمود بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی میں اس آیت کی تفسیر لکھی ہے کہ:

((هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ اَيْ يَعْمَلُوْنَ بِمُقْتَضٰى عِلْمِهِمْ؛ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اَيْ مَنْ يَّعْمَلُوْنَ بِمُقْتَضٰى جَهْلِهِمْ وَضَلَالِهِمْ))

(روح المعانی: (رشیدیہ)، ج ۲۳ ص ۳۲۵)

جو اپنے علم کے تقاضوں پر عمل کرتے ہیں ان کا مقام اس آیت میں بیان کیا گیا ہے، مطلق عالم ہونا نہیں بتایا گیا ہے۔ جو اپنے علم کے تقاضوں پر عمل کرتے ہیں اور وہ جو اپنی جہالت کے تقاضوں پر، اپنی گمراہی کے تقاضوں پر عمل کرتے ہیں، یہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے، تو مراد اس میں علم کے ساتھ عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع کرنا اصلاحِ نفس کے لئے تھا، مسائل کے لئے نہیں تھا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مسائل تو حاجی صاحب خود مجھ سے معلوم کریں گے، لیکن میں

ان سے جو چیز لینے گیا ہوں وہ اپنے علم پر عمل کا پٹرول ہے۔

کار کے شیشوں سے حواسِ خمسہ کی مثال

اس کی ایک حسی مثال سنئے! حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم جواس وقت میرے مرشد ہیں، ان کے ساتھ میں جدہ سے مکہ شریف حضرت والا کے ایک مرید انوارالحق صاحب کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ دورانِ سفر دو واقعات پیش آئے اور دونوں میں علم عظیم عطا ہوا۔ نمبر ایک: حضرت نے فرمایا کہ سخت لُو چل رہی ہے، جلدی سے ائرکنڈیشن چلادو جو کار میں ہوتا ہے، لیکن ائرکنڈیشن چالو کر لینے کے بعد بھی کار میں ٹھنڈک نہیں ہوئی اور حضرت کو گرمی محسوس ہوئی۔ تو حضرت نے فرمایا کہ بھئی! ائرکنڈیشن چل رہا ہے، پھر گرمی کیوں معلوم ہو رہی ہے؟ ڈرائیور صاحب نے عرض کیا کہ حضرت معلوم ہوتا ہے کوئی شیشہ کھلا رہ گیا ہے تو سب نے اپنے اپنے شیشے چیک کئے تو میری ہی طرف کا شیشہ تھوڑا سا کھلا رہ گیا تھا اور باہر سے گرم لُو اندر آرہی تھی، میں نے جلدی سے اوپر کر لیا تو کار تھوڑی ہی دیر میں ٹھنڈی ہوگئی۔ اللہ والوں کو ہر بات سے ہدایت ملتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے عارفین کو ہر ذرّہ کائنات سے ہدایت عطا فرماتے ہیں۔ اصغر گونڈوی رحمۃ اللہ علیہ جگر کے استاد، تہجد گزار اور اللہ والے شاعر فرماتے ہیں ؎

ہمہ تن ہستئ خوابیدہ مری جاگ اٹھی
ہر بُنِ مُو سے مرے اس نے پکارا مجھ کو

اللہ تعالیٰ جسے اپنا بنانا چاہتے ہیں تو وہ صرف اپنے جسمانی کانوں سے اللہ کے جذب کو اور ان کی آواز کو نہیں سنتا بلکہ اس کے بال بال کان بن جاتے ہیں۔ تو میرے شیخ نے فرمایا کہ ائرکنڈیشن چل رہا تھا مگر موٹر میں پوری ٹھنڈک نہیں ہو رہی تھی کیونکہ ایک شیشہ کھلا ہوا تھا، اسی طرح جو لوگ اللہ اللہ تو کرتے ہیں مگر آنکھ کا شیشہ کھول دیتے ہیں تو اللہ اللہ کرنے سے دل کی ٹھنڈک کے لئے ائرکنڈیشن

چل گیا مگر آنکھ کھول کر کالی اور گوری کو دیکھ رہے ہیں، نظر کی حفاظت نہیں کر رہے، نظر کا شیشہ نہیں چڑھایا تو دل میں ٹھنڈک کیسے آئے گی؟ پھر فرمایا کہ دیکھو! انسان کی موٹر میں پانچ شیشے ہیں جن کا نام حواسِ خمسہ ہے، بعض لوگ ذکر اللہ کرتے ہیں، تہجد پڑھتے ہیں اور بہت تسبیحات پڑھتے ہیں لیکن اپنا شیشہ تقویٰ کا کھلا چھوڑ دیتے ہیں۔ جہاں نامحرم عورت آئی، حسین لڑکے آئے آنکھوں سے انہیں دیکھ لیا، جب شیشہ کھلا رہے گا تو ذکر اللہ کا نفع کامل نہیں ہوگا۔

سِیۡمَاھُمۡ فِیۡ وُجُوۡھِھِمۡ ...الخ کی تفسیر

اس لئے اگر حواسِ خمسہ پر تقویٰ کا شیشہ چڑھا لیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ سارا نور قلب میں بھرا رہے گا اور اتنا بھر جائے گا کہ قلب سے چھلک کر چہرے سے اور آنکھوں سے بھی ظاہر ہونے لگے گا۔ صحابہ کے چہروں پر جو انوار تھے سِیۡمَاھُمۡ فِیۡ وُجُوۡھِھِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ یہ اس کی تفسیر ہے جو حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے بیان فرمائی کہ جب دل اللہ کے انوار سے بھر جاتا ہے اور بھر کر چھلک جاتا ہے تو چہرے سے جھلکنے لگتا ہے اور آنکھوں سے چھلکنے لگتا ہے، پھر میں نے تفسیر روح المعانی دیکھی تو بالکل یہی تفسیر وہاں بھی لکھی تھی حالانکہ حضرت نے کبھی روح المعانی نہیں دیکھی تھی، لکھا ہے کہ یہ سِیۡمَا کیا چیز ہے؟

((ھُوَ نُوۡرٌ یَّظۡھَرُ عَلٰی وُجُوۡہِ الۡعَابِدِیۡنَ یَبۡدُوۡ مِنۡ بَاطِنِھِمۡ اِلٰی ظَاھِرِ ھِمۡ))

(روح المعانی: (رشیدیہ)، ج ۲۶ ص ۳۸۸)

یہ نور ہے جو عبادت گزاروں پر اللہ تعالیٰ ظاہر کرتا ہے، جب ان کا باطن انوار سے بھر جاتا ہے تو ان کے ظاہر پر اس کا اثر آجاتا ہے۔

علم میں برکت کیسے آتی ہے؟

خیر یہ تو درمیان میں بات آگئی! اب علم میں برکت کیسے آتی ہے؟ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علم کی برکت کے دو دریا ہیں: ادب اور

تقویٰ۔علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اکابر علماء میں سے تھے،ان کے علم کا یہ حال تھا کہ اردو سے زیادہ ان کی عربی مضبوط تھی یعنی وہ اردو کی کتاب پڑھنے سے گھبراتے تھے،عربی پڑھنے میں ان کو مزہ آتا تھا لیکن ادب کا یہ حال تھا کہ ہمیشہ کتاب جہاں رکھی ہے وہاں جا کر پڑھتے تھے مثلاً ان کے کتب خانے میں بہت سی تپائیاں تھیں، کسی پر روح المعانی ہے، تفسیر مظہری بھی ہے اور بھی کتابیں ہیں، تو کسی کتاب کو اٹھا کے اپنے پاس نہیں لاتے تھے، وہیں جا کر پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ کتاب شیخ ہے، شیخ کو اپنے پاس نہیں بلایا جاتا خود شیخ کے پاس جانا چاہیے۔ان کا علم ماشاء اللہ اس قدر ہے کہ اکابر علماء نے فرمایا کہ اگر غیر مقلد بننے کا کوئی راستہ ہوتا تو علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ حنفی نہ ہوتے، اتنا زیادہ علم تھا کہ یہ خود مجتہد ہوتے مگر حنفی ہوئے۔

ایک مرتبہ ان کو ایک آیت میں خلجان ہوا، اشکال ہوا، چودہ تفسیریں عربی زبان کی دیکھیں مگر اشکال حل نہیں ہوا۔ بیان القرآن دیکھتے نہیں تھے کہ اردو میں ہے لیکن پھر مجبور ہو کر دیکھا کہ شاید حضرت نے کوئی جواب لکھا ہو، جب اس میں جواب مل گیا تو پھڑک اٹھے اور فرمایا، آہ! میں سمجھتا تھا کہ بیان القرآن عام اردو دانوں کے لئے ہے، مگر آج معلوم ہوا کہ علماء کے لئے ہے، ایک ایک لفظ جو حضرت بڑھاتے ہیں سارے اشکال ختم ہو جاتے ہیں۔ خود حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا کہ جس کو کسی آیت میں اشکال ہو، وہ تمام متقدمین کی تفسیریں دیکھے، پھر میرا بیان القرآن پڑھے، تب اس کو پتا چلے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اشرف علی کے ہاتھوں سے کیا کام لیا ہے۔کیا شان تھی اللہ اللہ!

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ کسی کے علم کے نشر کے لئے اسباب پیدا فرما دیتے ہیں جیسے کسی کو اللہ نے ادارہ بنوا دیا، مہتمم ہو گیا، دین کی خدمت میں لگا ہوا ہے، یا پھر اللہ نے اس کے وعظ میں اثر پیدا کر دیا، جگہ جگہ

وعظ سے دین پھیلا رہا ہے، یا جو تصنیف کرتا ہے فوراً اس کے چھپنے کے اسباب پیدا ہوجاتے ہیں۔ کتنے علماء ہیں جن کی تصنیف الماری میں بند ہے اور وہ تمنائیں کرتے رہتے ہیں کہ کاش اس کے چھپنے کے اسباب پیدا ہوجائیں۔خود علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی قسمت اللہ تعالیٰ نے عجیب وغریب بنائی ہے، میں کوئی رسالہ لکھتا ہوں اس کو چھاپنے کے لئے پیسے نہیں ملتے ،اسباب نہیں پیدا ہوتے ،اور مولانا اگر کوئی وعظ کہتے ہیں، وہ چیز اگلے مہینے چھپ جاتی ہے حتیٰ کہ روزانہ کی مجلس جو ظہر سے عصر ہوتی تھی، وہ بھی افاداتِ علمیہ کے نام سے روزانہ کی باتیں شائع ہوتی تھیں۔تو علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بڑی حسرت سے فرماتے تھے کہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب قسمت ہے کہ جو روزانہ کی گفتگو ہے،ظہر سے عصر تک کی مجلس، وہ بھی چھپ جاتی ہے،اور وعظ کا تو کہنا ہی کیا ہے، کھڑے ہوکر وعظ کیا، بیٹھ کے وعظ کیا، کتنے گھنٹے وعظ ہوا،سب چھپ جاتا تھا۔ایک وعظ پونے پانچ گھنٹے کا ہے جس کا نام احکام المال ہے، میں نے خود دیکھا پونے پانچ گھنٹہ لکھا ہوا تھا۔اب آپ سوچئے کہ کیا علم کا دریا تھے۔

خدمت اور ادب کا انعام

اور شاہ عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ استاد کی خدمت بھی بہت بڑی نعمت ہے، اس کی برکت اور ماں باپ کا ادب اور ماں باپ کی دعائیں بھی بہت اہم ہوتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن فرمایا کہ مجھے استنجا کرنا ہے تو دیکھا کہ ایک لوٹا پانی کا رکھا ہوا ہے، پوچھا یہ کس نے رکھا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ آپ کے چچا کے بیٹے عبداللہ نے رکھا ہے۔جب واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ وضو کے لئے پھر ایک لوٹا پانی رکھا ہوا ہے، پوچھا یہ کس نے رکھا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے رکھا ہے:

((اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَتَی الْخَلَاءَ فَوَضَعْتُ لَهٗ وَضُوْءًا (وَ رُوِیَ اَنَّهٗ سَکَبَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَضُوْءًا عِنْدَ خَالَتِهٖ مَیْمُوْنَةَ فَلَمَّا خَرَجَ قَالَ مَنْ وَضَعَ لِیْ وَضُوْئِیْ......الخ۔ المعجم الکبیر للطبرانی: رقم الحدیث ۱۲۵۰۶) فَلَمَّا خَرَجَ قَالَ مَنْ وَضَعَ هٰذَا قَالُوْا: اِبْنُ عَبَّاسٍ قَالَ اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ۔ (صحیح مسلم: (قدیمی)، کتاب فضائل الصحابة، ج۲ ص۲۹۸) وفی روایة البخاری (کتاب العلم، ج۱ ص۱۷) اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْکِتَابَ))

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی وقت دعا فرمائی اے اللہ! اس بچے کو تفسیرِ قرآن کا علم عطا فرما چنانچہ آپ کی دعا کے صدقے میں آج ان کا لقب رئیس المفسرین ہے، سارے عالم کے مفسرین سے آگے بڑھ گئے۔

ماں کی بددعا کا انجام

یہ تو ادب کے واقعات تھے لیکن بمبئی میں ایک بڑے لمبے کرتے والے مولوی صاحب ملے، ٹوپی بھی گول اور بہت نیک آدمی ہیں لیکن زندگی میں ایک غلطی ان سے ہوگئی تھی کہ اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لئے ماں سے لڑ گئے، مغلوب ہوگئے۔ ماں باپ کی اگر زیادتی بھی ہو تو اس معاملے میں ان کی بے ادبی جائز نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ اپنی بیوی کو لے کر الگ ہوجائے۔ ایک بڑے مفتی صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ میری بیوی میں اور میری اماں میں آپس میں چل پڑی، جب چل پڑی تو ہم اپنی بیوی کو لے کر الگ ہوگئے، دوسری جگہ منتقل ہوگئے، یہ سوچ کر کہ کسی وقت ہم سے ماں کے حق میں کوئی بے ادبی نہ ہوجائے۔ تو میں نے ان بمبئی والے صاحب سے پوچھا کہ آپ کی انگلیوں میں کوڑھ، جذام کیسے ہوگیا؟ سب انگلیاں سڑ گئیں، مواد نکلتا تھا، کہا کہ میں نے اپنی والدہ سے تیز آواز سے کچھ بات کرلی تھی تو اماں کو غم ہوا، انہوں نے

مجھے دو بد دعا دی تھیں کہ خدا کرے تو کوڑھی ہو کر مرے اور میرے جنازے میں شریک نہ ہو۔ کہنے لگے کہ والدہ کی دونوں دعا قبول ہو گئیں، نہ ان کے جنازے میں شریک ہو سکا اور کوڑھی بھی ہو گیا۔ حالانکہ اب وہ حضرت ہردوئی دامت برکاتہم کے خلیفہ بھی ہیں، نیک ہیں لیکن نیک آدمی سے بھی غلطی ہو جاتی ہے، نیک آدمی کے حق میں بھی ماں باپ کی بددعا قبول ہو جاتی ہے۔ یہ نہ سوچو کہ ہم عالم ہیں، بہت نیک ہیں، ہمارے لئے کچھ نہیں ہوگا لہٰذا ایسا نیک شخص کہ بچپن سے ولی اللہ ہے یعنی وہ پندرہ سال کے تھے، اس وقت بھی اتنا لمبا کرتہ، پورے مدرسہ میں وہ صوفی مشہور تھے۔ بہر حال اب ماشاء اللہ ان کی صحت اچھی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کی سن لی یا ان کے لئے کسی کی دعا سن لی، انہوں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی دیکھا ہے لیکن ہر شخص کو ماں باپ کی آہ سے ڈرنا چاہیے۔

علم میں برکت کی ایک مثال

علم میں برکت کے لئے دوسری اہم چیز تقویٰ ہے، جو طالب علم گناہوں سے نہیں بچے گا اس کے علم میں برکت نہیں آئے گی اور برکت کی تعریف امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لکھی ہے کہ برکت کے کیا معنی ہیں؟

((اَلْبَرَكَةُ ثُبُوْتُ الْخَيْرِ الْاِلٰهِيِّ فِي الشَّيْءِ وَالْمُبَارَكُ مَا يُفِيْضُ عَلَيْهِ مِنَ الْخَيْرَاتِ الْاِلٰهِيَّةِ))

(المفردات فی غریب القرآن للامام راغب الاصفھانی: ج ۱ ص ۱۱۹)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارش ہونے لگے۔ آہ! جس پر اللہ کی رحمت کی بارش ہوگی تو اس کے علم میں کتنی برکت ہوگی؟ اس لئے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے خدا! ہم نے شریعت کا علم تو کتابوں سے حاصل کر لیا لیکن ؂

قطرۂ علمے کہ دادی تو ز پیش
متصل گرداں بہ دریا ہائے خویش

آپ نے ہمیں قطرۂ علم عطا فرمادیا لیکن اس قطرۂ علم کو اپنے غیر محدود علم کے دریا سے متصل کردیجئے، پھر جو عالم ہوگا اس کو سنئے! اب جو شعر میں پیش کروں گا، اس شعر پر آج سے چالیس سال پہلے پھولپور میں میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک گھنٹہ بیان فرمایا تھا اور فرمایا کہ میں نے مثنوی شریف پڑھی ہے حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے اور حکیم الامت نے پڑھی تھی حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اور اختر جو آپ سے مخاطب ہے اس نے اپنے شیخ و مرشد سے پندرہ سال مثنوی پڑھی ہے، میرے اور حاجی صاحب میں صرف دو واسطے ہیں۔

تو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ علم کی برکت کی عجیب مثال دیتے ہیں ؎

خم کہ از دریا درو راہے شود
پیش او جیحونہا زانو زند

میرے شیخ نے فرمایا کہ فارسی میں دریا کے معنی دو آتے ہیں، کبھی دریا کے آتے ہیں اور کبھی سمندر کے بھی آتے ہیں لیکن یہاں سمندر کے ہیں۔ جس مٹکے کو سمندر سے خفیہ رابطہ نصیب ہوجائے اس کے سامنے دریائے دجلہ، فرات اور دریائے جیحون وسیحون جتنے بڑے بڑے دریا ہیں، زانوئے ادب طے کریں گے اور شاگرد بن جائیں گے، کیوں؟ اس لئے کہ ان دریاؤں کا پانی خشک ہوسکتا ہے، لیکن اس مٹکے کا پانی خشک نہیں ہوسکتا کیونکہ اس میں سمندر کے خفیہ راستہ سے پانی آرہا ہے۔ یہ ہے مواصلاتی نظام اور یہ ہے تعلق مع اللہ کی دولت کا انعام۔

تو علم میں برکت کے لئے ادب اور تقویٰ اہم ہیں اور یہ دونوں نعمتیں اہل اللہ کی صحبت سے نصیب ہوتی ہیں کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ متقین کے ساتھ رہو، تقویٰ پاجاؤ گے۔ جس کی تفسیر روح المعانی میں ہے اَیْ خَالِطُوْھُمْ لِتَکُوْنُوْا مِثْلَھُمْ اتنا اللہ والوں کے ساتھ، تقویٰ والوں کے ساتھ رہو کہ تم انہی جیسے ہوجاؤ، تمہاری آہ، تمہاری مناجات، تمہاری اشک باری ان کے

جیسی ہو جائے، ان کی اشک بار آنکھیں، ان کا تڑپتا ہوا درد بھرا دل، سارے کا سارا تمہارے اندر منتقل ہو جائے۔

اللہ والوں کی نظر کی کیمیا تاثیر

اب ادب کس چیز کو کہتے ہیں؟ اس کی مثال کے لئے اپنے اکابر کے دو واقعات سناتا ہوں۔ غالباً ۱۹۷۲ء یا ۱۹۷۳ء میں مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی دامت برکاتہم اور میرے شیخ مولانا ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم دونوں بزرگ ایک شہر میں جمع ہوئے۔ حضرت پرتاب گڑھی دامت برکاتہم اس وقت علماء کے شیخ ہیں، سارا ندوہ اس وقت حضرت کے قدموں میں ہے۔ مولانا جب ندوہ تشریف لے گئے تو بیان میں فرمایا کہ اے علماء! آپ لوگ نظر لگ جانے پر یقین رکھتے ہیں کہ بری نظر لگ جاتی ہے اور اس کی حقیقت تسلیم کرنا سارے اہل علم اور اہل ایمان پر لازم ہے کیونکہ حدیث شریف ہے:

((اَلْعَیْنُ حَقٌّ))

(صحیح البخاری: (قدیمی)، کتاب الطب، باب العین حق، ج ۲ ص ۸۵۴)

تو حضرت نے فرمایا کہ اس حدیث کو پڑھنے پڑھانے والے علماء حضرات سے گزارش کرتا ہوں کہ جب بری نظر لگ سکتی ہے تو اللہ والوں کی اچھی نظر آپ کیوں تسلیم نہیں کرتے؟ پھر حضرت نے یہ شعر پڑھا ؎

تنہا نہ چل سکیں گے محبت کی راہ میں
میں چل رہا ہوں آپ میرے ساتھ آیئے

میں نے جب سنا تو سمجھا کہ حضرت نے تصوف کی کوئی بات بیان کی ہے لیکن محدث عظیم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرح مشکوٰۃ میں بعینہ یہ بات مل گئی کہ جب بری نظر لگ سکتی ہے تو عارفین جنہوں نے اللہ کو پہچان لیا، ان کی نگاہوں سے کیا کچھ حاصل نہیں ہو گا؟

((فَإِنَّهٗ مِنْ حَيْثُ التَّأْثِيْرِ الْإِكْسِيْرِ يَجْعَلُ الْكَافِرَ مُؤْمِنًا وَّالْفَاسِقَ صَالِحًا وَّالْجَاهِلَ عَالِمًا وَّالْكَلْبَ إِنْسَانًا))

(مرقاۃ المفاتیح:(رشیدیہ)؛ کتاب الطب والرقی؛ ج ۸ ص ۳٦٧)

جن کی نگاہوں کے فیض سے کافر مسلمان ہوجاتے ہیں، جو کتے کو انسان بنادیتی ہے، جن سے فاسق اور گنہگار بھی ولی اللہ ہوجاتے ہیں۔ دیکھ لیجیے! جگر شاعر شراب پیتے پیتے تھانہ بھون گیا اور حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے کیا سے کیا بن گیا، شراب چھوڑ دی، داڑھی رکھ لی، حج بھی کرلیا۔ ڈاکٹروں کے بورڈ نے کہا کہ اگر آپ شراب نہیں پئیں گے تو مرجائیں گے، جگر نے کہا کہ اگر پیتا رہوں گا تو کب تک جیتا رہوں گا؟ ڈاکٹروں نے کہا آٹھ سال، دس سال اور جی لیں گے۔ جگر نے کہا کہ نہیں، میں اللہ کے غضب کے ساتھ آٹھ دس سال کی زندگی نہیں چاہتا، شراب کے چھوڑنے کی مصیبت سے اگر جگر کو ابھی موت آجائے تو میں اس موت کو پیار کرنے کے لئے تیار ہوں اور اس موت کو اللہ کی رضا کے ساتھ میں لبیک کہتا ہوں۔ اللہ کی رحمت سے جگر صاحب اچھے ہوگئے، داڑھی رکھ لی، جب داڑھی رکھی تو لوگوں نے بہت مذاق اڑایا، لیکن جگر نے فوراً یہ شعر کہا، جب آئینے میں اپنی داڑھی دیکھی تب کہا ؎

چلو دیکھ آئیں تماشا جگر کا
سنا ہے وہ کافر مسلمان ہوگا

مولانا محمد احمد صاحب دامت برکاتہم کا مقامِ ولایت

تو دوستو! ۱۹۸۰ء میں جب میں الہ آباد، انڈیا پہنچا تو دیکھا کہ مولانا حبیب الرحمن اعظمی، مصنف عبد الرزاق کا عربی زبان میں حاشیہ لکھنے والا، آج عربوں میں جاکر پوچھئے تو عرب کے علماء میں ان کا غلغلہ ہے، وہ دعا لینے کے لئے انہی مولانا شاہ محمد احمد صاحب کے پاس آئے ہوئے تھے جنہوں نے

کبھی درس اور تدریس کا کام ہی نہیں کیا، مولانا علی میاں ندوی اور مولانا حبیب الرحمن اعظمی دونوں کا بستر لگا ہوا تھا، میں نے پوچھا کہ یہ لوگ کس لئے آئے ہیں؟ معلوم ہوا کہ صرف دردِ دل لینے آئے ہیں۔ ایک مرتبہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں بخاری شریف کا ختم ہوا، اس وقت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ حیات تھے، آپ نے دورانِ بیان ایک شعر پڑھا، فرمایا کہ اے طلبہ کرام! بخاری شریف تو پڑھ لی، کچھ دن جا کر اللہ والوں کی صحبت میں رہو تا کہ حقیقتِ بخاری بھی نصیب ہو جائے، پھر یہ شعر پڑھا ؎

دردِ دل نے اور سب دردوں کا درماں کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا

اللہ والوں کی صحبت سے دردِ دل عطا ہوتا ہے، ایمان میں اور اسلام میں احسانی کیفیت نصیب ہوتی ہے۔

احسانی کیفیت کسے کہتے ہیں؟

اس کیفیت کی شرح علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح بخاری میں کرتے ہوئے فرمایا کہ احسان کیا چیز ہے؟

((اَنْ یَّغْلِبَ عَلَیْہِ مُشَاھَدَۃُ الْحَقِّ بِقَلْبِہٖ حَتّٰی کَاَنَّہٗ یَرَ اللّٰہَ تَعَالٰی شَاْنُہٗ بِعَیْنِہٖ))

(فتح الباری: (دار الکتب العلمیۃ)، کتاب الایمان، ج ۲ ص ۱۱۰)

فرماتے ہیں کہ احسان اللہ تعالیٰ کے غلبۂ مشاہدہ کا نام ہے گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ہر وقت دیکھ رہا ہے، جب اللہ کی محبت کا درد عطا ہو جائے گا تو خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر بزبانِ حال پڑھو گے ؎

یہ کون آیا کہ دھیمی پڑ گئی لو شمع محفل کی
پتنگوں کے عوض اڑنے لگیں چنگاریاں دل کی

لیکن یہ دردِ دل کیسا ہو؟ عارضی نہ ہو کہ کچھ دن تو بہت ولی اللہ بن گئے اور کچھ دن سب چھوڑ چھاڑ کے ایک دم غافل ہو گئے بلکہ ؎

شکر ہے دردِ دل مستقل ہو گیا

اب تو شاید مرا دل بھی دل ہو گیا

یہ مولانا شاہ محمد احمد صاحب دامت برکاتہم کا شعر ہے اور فرمایا کہ شاید میں نے تواضع کے لئے لگایا ہے تا کہ دعویٰ نہ ہو جائے۔

اللہ والوں سے اللہ کی پہچان حاصل کرو

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے جب بخاری شریف ختم کروائی تو اس میں مولانا عبداللہ شجاع آبادی بھی موجود تھے، تمام طلبہ سے فرمایا کہ اے طلبہ کرام! آج آپ عالم ہو گئے لیکن جاؤ اب چھ مہینہ کسی اللہ والے کی صحبت میں رہ لو، تا کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت ، ان کی محبت اور معرفت نصیب ہو جائے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک عالم نفلی حج کرنے جا رہے تھے، ایک بزرگ سے دعا کرانے گئے۔ اس بزرگ نے کہا کہ جس کے گھر جا رہے ہو اس گھر والے سے جان پہچان بھی ہے؟ حج فرض ہوتا تو تمہیں ہر صورت میں جانا ہی تھا لیکن تم تو نفلی حج کے لئے جا رہے ہو، یہ بتاؤ! جس کے گھر جا رہے ہو اس گھر والے سے کچھ جان پہچان ہے؟ بس ان کے چوٹ لگ گئی۔ کہتے ہیں نا تبلیغ نام ہے لگانے کا لیکن لگا وہی سکتا ہے جس کو لگی ہو، بہت سے لوگ آج ایسے لگا رہے ہیں جن کے خود لگی نہیں ہے، اسی لئے اثر نہیں ہوتا۔ تو وہ عالم صاحب سال بھر اس اللہ والے کے پاس رہ گئے، اللہ تعالیٰ کی پہچان اور معرفت حاصل کی، پھر جب حج کیا، طواف کیا تو کعبہ کچھ اور ہی نظر آیا، وہ تجلیات مشاہدے میں آئیں جنہیں زندگی میں کبھی دیکھا بھی نہیں تھا۔ طواف پر میرا یہ شعر حالتِ طواف میں ہوا تھا، دیکھو! اس وقت کیا کیفیت ہوتی ہے جب اللہ کا گھر سامنے ہوتا ہے،

بیت الرب سامنے ہو اور رب البیت بھی ہو۔

کہاں یہ میری قسمت یہ طواف تیرے گھر کا
میں جاگتا ہوں یارب یا خواب دیکھتا ہوں

حضرت والا ہردوئی دامت برکاتہم کا ادب

تو میں یہ عرض کررہا تھا کہ ادب اور تقویٰ دو چیز سے علم میں برکت آتی ہے۔ اگر طالب علم ادب نہیں کرتا، بدتمیز ہے تو بدتمیزی کی وجہ سے ایسا طالب علم، علم سے محروم رہے گا۔ اسی طرح اگر تقویٰ نہیں ہے، گناہ نہیں چھوڑتا، بدنظری میں مبتلا ہے، اپنے کو بڑا سمجھتا ہے، باطنی یا ظاہری کسی گناہ میں مبتلا ہے تو بھی اس کے علم میں برکت نہیں ہوگی اور دونوں نعمتیں اہل اللہ کی صحبت سے نصیب ہوتی ہیں۔ تو ایک شہر میں میرے شیخ اور مولانا شاہ محمد احمد صاحب دامت برکاتہم ساتھ تشریف لے گئے، ایک شخص نے مولانا ابرارالحق صاحب سے پوچھا کہ کیا آپ کے ساتھ مولانا شاہ محمد احمد صاحب بھی آئے ہیں؟ مولانا ابرارالحق صاحب نے فرمایا کہ نہیں! بلکہ میں ان کے ساتھ آیا ہوں۔ حالانکہ دونوں کامل ہیں، دونوں کے بارے میں امت بہت ہی نیک گمان رکھتی ہے، لیکن یہ بات ذہن میں فوراً آجانا یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ فرمایا کہ نہیں! میں مولانا کے ساتھ آیا ہوں۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ادب

دوسرا ادب کا واقعہ سنئے! حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا ایک مسودہ تصحیح کے لئے مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھیجا۔ اس میں کہیں حاجی صاحب سے تسامح ہوگیا اور ایک لفظ بالکل غلط سا ہوگیا، لہٰذا مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ ایک دائرہ بنایا۔

اس وقت اگر ہم لوگ ہوتے تو کہتے کہ حضرت! یہاں آپ سے غلطی ہوگئی ہے، اگر اجازت ہو تو میں اس کو درست کر دوں؟ مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں دائرہ بنایا اور حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، اپنے پیر و مرشد کو لکھا کہ یہ لفظ میری سمجھ میں نہیں آرہا، ازراہِ کرم اطلاع فرمائیے۔ بس حاجی صاحب کو وجد آگیا، آہ! باادب بانصیب، اس لئے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

اے خدا جوئیم توفیقِ ادب
بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

اے خدا! ہم آپ سے ادب کی توفیق مانگتے ہیں کیونکہ بے ادب آدمی آپ کی رحمت سے محروم رہتا ہے۔ اس کو مُند پڑھنا ماند نہیں، کیوں؟ میرے شیخ نے مجھے ایسے ہی پڑھایا تھا، فرمایا اگر ماند پڑھو گے تو شعر کا وزن گر جائے گا۔ اس لئے استاد کی ضرورت ہے، شَیر اور شِیر میں فرق کرنے کے لئے استاد کی ضرورت ہوتی ہے، ورنہ شَیر کو شِیر پڑھ دے گا اور شِیر کو شَیر پڑھ دے گا کیونکہ حروف تو دونوں میں ایک ہی ہیں جبکہ ایک کے معنی شیر جانور کے اور دوسرے کے معنی دودھ کے ہیں۔
اسی لئے یُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ کی تفسیر علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے دو لکھی ہیں:

((اَیْ یُفَهِّمُهُمْ اَلْفَاظَ الْکِتَابِ وَیُبَیِّنُ لَهُمْ کَیْفِیَّةَ اَدَآئِهٖ))

(روح المعانی: (رشیدیه)، ج ۱ ص ۵۲۶)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کو قرآن کے الفاظ کے معانی بھی سمجھاتے ہیں اور ادائیگی حروف کی کیفیت بھی بیان کرتے ہیں، اسی سے قرأت اور تجوید کا ثبوت ملتا ہے۔

ذکر اللہ کے باوجود ہمیں اطمینان کیوں نہیں ملتا؟

تو ایک واقعہ موٹر والا آپ نے سن لیا کہ ائر کنڈیشن چلنے کے باوجود موٹر ٹھنڈی نہیں ہوئی، آج لوگ کہتے ہیں کہ ہم ذکر اللہ تو کرتے ہیں مگر

اطمینان قلب کا جو قرآن کا وعدہ ہے اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ تو ہمیں اطمینان کیوں نہیں ملتا؟ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ یہاں 'با' جو ہے یہ معنی میں 'فی' کے ہے یعنی ذکر الٰہی میں ڈوب جاؤ، سر سے پیر تک کوئی اعضاء نافرمانی میں مبتلا نہ ہوں۔ نافرمانی ضد کامل ہے ذکر کی، ایک ضد ناقص ہے وہ تو غفلت ہے، جیسے وظیفہ چھوٹ گیا، لیکن ضد کامل یہ ہے کہ کوئی بندہ اپنی نالائقی سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مبتلا ہو تو اسے اطمینان کامل کیسے ملے گا؟ جب ذکر ناقص ہے تو اطمینانِ کامل کا انتظار بے وقوفی ہے یا نہیں؟ جب ذکر کامل ہوگا یعنی تقویٰ کے ساتھ ذکر ہوگا تب اطمینانِ کامل نصیب ہوگا۔ سبحان اللہ! بنگلہ دیش والوں کے لئے قابل وجد مثال آ رہی ہے:

((کَمَا اَنَّ السَّمَکَۃَ تَطۡمَئِنُّ فِی الۡمَآءِ لَا بِالۡمَآءِ))

(تفسیر مظہری:(رشیدیہ)، ج۷ص۴۰۷)

اب دیکھو! میرے اس ہاتھ کو مچھلی سمجھو، یہاں سے یہاں تک رہو ہے، یہ اس کا سر ہے، اس کا سر کھلا ہوا ہے، اتنا جسم پانی میں ڈوبا ہوا ہے، بتاؤ! اس مچھلی کو چین ملے گا؟ نہیں کیونکہ یہ بالماء تو ہے فی الماء نہیں ہے۔ آہ! اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دریائے محبت میں غرق کردے، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ماہیانِ قعرِ دریائے جلال

یہ اللہ والے اللہ تعالیٰ کے دریائے عظمت اور دریائے جلال و جمال کی مچھلیاں ہیں جو قعرِ دریا میں رہتی ہیں یعنی بہت زیادہ ان کا دریا گہرا ہوتا ہے۔ اور جو کم یاد کرتے ہیں ان کا دریا تھوڑے پانی کا ہوتا ہے، زیادہ گہرا نہیں ہوتا، جون کے مہینے میں جب پانی گرم ہوجاتا ہے، جب تھوڑا پانی رہ جاتا ہے تو شکاری لوگ ہاتھوں سے ان مچھلیوں کو پکڑ لیتے ہیں، آنکھوں دیکھا حال ہے۔ اور جہاں پانی گہرا ہوتا ہے، جب شکاری اندر گھستے ہیں تو مچھلیاں دریا کی گہرائیوں میں چھپ جاتی ہیں، لہٰذا

معاشرے کی برائی سے بچنے کے لئے دو چیزیں ہیں۔

برے ماحول کے مضر اثرات سے بچنے کے دو نسخے

نمبر ایک: خوب اللہ کو یاد کیا جائے اور اس یاد میں تقویٰ بھی شامل ہے، نافرمانی کے ساتھ ذکر کامل نہیں ہوتا۔ نمبر دو: کسی اللہ والے کی کشتی میں بیٹھ جاؤ۔ دیکھئے! مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں جنہوں نے کشتی کا ضعف دیکھا وہ سب ہلاک ہو گئے اور جنہوں نے کشتی چلانے والے، کشتی بان حضرت نوح علیہ السلام کی روحانیت دیکھی جو نورِ نبوت سے منور تھی، کشتی کا ضعف نہیں دیکھا تو وہ کشتی میں بیٹھ گئے اور پار ہو گئے، فرماتے ہیں ؎

ضعفِ قطب در تن بود در روح نے
ضعف در کشتی بود در نوح نے

کشتی میں تو ضعف تھا لیکن کشتی چلانے والے حضرت نوح علیہ السلام میں کوئی کمزوری نہیں تھی، اسی طرح جو اللہ والے ہیں ان کا ضعف جسم میں تو ہو سکتا ہے، لیکن ان کی روح میں کمزوری نہیں ہوتی۔ وہ طوفان پانی کا تھا، آج بھی طوفان گمراہی کا ہے، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ھی بیا در کشتیٔ بابا نشیں

اللہ والوں سے جڑے رہو، ان کی کشتیوں میں بیٹھے رہو یعنی آنا جانا رکھو، تعلق مع اللہ کا سلسلہ اگر چاہتے ہو تو تعلق مع اہل اللہ بھی ضروری ہے، فرماتے ہیں ؎

ہر کہ خواہد ہمنشینی با خدا
گو نشیند با حضور اولیاء

جو چاہتا ہے کہ میں خدا کے ساتھ ہم نشین رہوں اس سے کہو کہ اہل اللہ کی خدمت میں اور مجلسوں میں آتا جاتا رہے، ان کے ساتھ رہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں اپنے شیخ کی محبت وعظمت

حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ مولانا گنگوہی کس لئے حاجی صاحب کے پاس گئے تھے؟ حضرت نے فرمایا کہ تعجب مت کرو، آپ سمجھتے ہیں کہ علم تو مولانا گنگوہی کا زیادہ تھا، ایک زیادہ علم والا کم علم والے کے پاس کیوں گیا؟ تو فرمایا کہ دیکھو! ایک مثال سے سمجھو۔ ایک شخص کے پاس ہر قسم کی مٹھائیاں ہیں، مزے لے لے کر کھا رہا ہے، مگر اس کو مٹھائیوں کے نام معلوم نہیں اور دوسرا شخص پوری فہرست جانتا ہے، رَٹے ہوئے ہے، پی ایچ ڈی ہے، تخصص بھی کئے ہوئے ہے، سارے نام مٹھائیوں کے سنا دیتا ہے، لیکن مٹھائی اس کے پاس کھانے کو نہیں ہے، بتاؤ! کون محتاج کس کا ہے؟ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں کہ جو دین کی مٹھائیاں میں نے کتابوں میں پڑھی تھیں، وہ حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کھانے کو ملیں۔ ایسے ہی تو یہ بڑے بڑے علماء حضرت حاجی صاحب پر فدا نہیں تھے، آدمی جب کچھ پاتا ہے تو اس کی گاتا ہے۔

کانپور میں حضرت حکیم الامت کا وعظ ہو رہا تھا، حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں بھی بیٹھا ہوا تھا، اپنا چشم دید واقعہ حضرت نے سنایا۔ مضامین کی بارش ہو رہی تھی، اتنی بارش ہوئی، حاجی صاحب کا ایسا فیض آیا کہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہائے! امداد اللہ کہہ کر بیٹھ گئے، سارا مجمع رونے لگا۔ پھر ایک بیرسٹر نے کہا کہ آپ کو کس نے یہ دلائل اور تقریر کا سلیقہ سکھایا ہے؟ آپ کے ابا نے آپ کو مولوی بنا کر غلطی کی، آپ کو تو بیرسٹر ہونا چاہیے تھا، اگر آپ قانون پڑھ لیتے تو عدالت کو اپنے صغریٰ کبریٰ اور دلائل سے ہلا دیتے، سب دلائل آپ کو زبانی یاد بھی ہیں۔ وہ بیرسٹر فارسی دان تھا، اس نے یہ شعر پڑھا۔

تو مکمل از کمالِ کیستی
تو مجمل از جمالِ کیستی

حضرت نے اس کو فارسی ہی میں جواب دیا۔

من مکمل از کمالِ حاجیم
من مجمل از جمالِ حاجیم

یہ سب حاجی امداد اللہ صاحب، میرے پیرو مرشد کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔ یہ ہیں اہل اللہ جو کیسے با ادب ہوتے ہیں، ڈیڑھ ہزار تصانیف کے باوجود اور بڑے بڑے علماء کے حضرت سے مرید ہونے کے باوجود جو حضرت سے تعلق رکھتے تھے، حضرت نے ہمیشہ یہی فرمایا کہ اشرف علی کو جو کچھ بھی ملا ہے سب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔

علم بلا عمل کی ایک حسی مثال

تو گاڑی کے شیشے کھلے رہنے والی مثال آپ نے سنی، دوسری مثال بھی اسی سفر میں پیش آئی۔ جب ہماری کار پٹرول لینے کے لئے ایک پمپ پر رکی تو ایک ٹینکر آیا، جس کے اوپر کم سے کم دس ہزار گیلن ایندھن بھرا ہوا تھا۔ اس نے بھی پٹرول پمپ والے سے کہا کہ انجن میں تیل نہیں ہے، دو چار گیلن تیل ڈال دو۔ تو حضرت ہنسے، فرمایا کہ پیٹھ پر دس ہزار گیلن پٹرول لدا ہوا ہے لیکن جب انجن میں تیل، پٹرول نہیں ہے تو اب اس کا نفع نہ لازم رہا نہ متعدی رہا، نہ یہ خود چل سکتا ہے اور نہ یہ دوسروں کو تیل سپلائی کر سکتا ہے۔ فرمایا کہ بس یہی بات ہے، جس کے دل کے انجن میں اللہ تعالیٰ اپنی محبت اور خشیت کا پٹرول عطا کر دیتا ہے تو وہ خود بھی نفع اٹھاتا ہے یعنی خود بھی عمل کرتا ہے اور دوسروں کو بھی نفع پہنچاتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا ۔۔۔ کی شرح

اور ایک بات یہ کہتا ہوں کہ علم پر کبھی اکتفا نہیں کرنا چاہیے کہ بس اب

ہم کو آ گیا، اگر اللہ صحت وقوت دے تو مطالعہ جاری رکھو۔ خاص کر اگر مشکوٰۃ پڑھانی ہے یا زاد الطالبین پڑھانی ہے تو کوشش کرنا چاہیے کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی مرقاۃ ضرور دیکھ لے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ کوئی ایسی بات آپ کو مل جائے گی جس کی طرف عموماً ذہن نہیں جاتا، جیسے ایک حدیث میں ہے:

((اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ ۔ رواہ الترمذی و البیہقی فی شعب الایمان))

(مشکوۃ المصابیح: (قدیمی)؛ کتاب الرقاق؛ باب فضل الفقرآء؛ ص ۴۴۷)

اے اللہ! ہمیں مسکین زندہ رکھئے اور مسکینوں میں موت دیجئے اور قیامت کے دن ہمیں مساکین میں اٹھائیے۔ جب میں نے بمبئی کی مسجد نور بھنڈی بازار میں اس کو بیان کیا کہ اس حدیث کے معنی کیا ہیں؟ اگر اس کا صحیح مطلب نہ سمجھے تو کیا یہ دعا کوئی سیٹھ مانگ سکتا ہے کہ اے اللہ! ہم کو مسکین بنادے، فقیر کردے؟ ملا علی قاری نے اس کا جواب مرقاۃ میں دیا ہے کہ:

((اَلْمِسْکِیْنُ مِنَ الْمَسْکَنَۃِ وَالْمَسْکَنَۃُ ھِیَ التَّوَاضُعُ عَلٰی وَجْہِ الْمُبَالَغَۃِ))

(مرقاۃ المفاتیح: (رشیدیہ)؛ باب فضل الفقرآء؛ ج ۹ ص ۴۳۲)

مسکین مسکنت سے ہے جس کے معنی کمال درجہ کا غلبۂ تواضع ہے۔ تو یہ دعا کہ اے اللہ ہم کو مسکینی میں زندہ رکھیے، یہاں مسکین سے مراد فقیر اور تنگ دست ہوجانا، غریب ہوجانا، پھٹیچر ہوجانا مراد نہیں ہے، مراد اس سے غلبۂ تواضع ہے، خاکساری ہے۔ تو بمبئی کے ایک سیٹھ نے جو میرے شیخ سے بیعت ہیں، کہا کہ میں مارے ڈر کے دو سال سے یہ دعا نہیں مانگ رہا ہوں کہ مسکین ہوجاؤں گا تو مدرسے میں خیرات کیسے کروں گا؟ غریبوں کو زکوٰۃ کیسے دوں گا؟ مسجد میں چندہ کہاں سے دوں گا؟ لیکن اب اس دعا کو پڑھوں گا کیونکہ آج معنی معلوم ہوگئے۔

کسی انسان کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے

اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ ایسی فنائیت اور عبدیت بندہ کو نصیب ہوجائے کہ اپنے کو مٹادے، سارے عالم سے اپنے کو کمتر سمجھے۔ مسلمانوں سے اپنے کو کمتر سمجھے فی الحال اور کافروں سے کمتر سمجھے فی المآل کہ انجام کا پتا نہیں، ہمارا خاتمہ ایمان پر ہوگا یا نہیں اور یہ کافر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوسکتا ہے۔ فی الحال اور فی المآل۔ یہ دو لفظ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائے کہ میں مسلمانوں سے اپنے کو کمتر سمجھتا ہوں فی الحال، مسلمان اگرچہ شرابی ہے مگر اس کا کوئی عمل شاید اللہ کو پسند آجائے اور اس کے تمام بڑے بڑے گناہوں کو اللہ معاف کردے اور میرے کسی عمل پر شاید علمِ الٰہی میں ناراضگی ہوجائے، پکڑ ہوجائے، یہاں تک فرمایا کہ میں اپنے آپ کو جانوروں سے بھی حقیر سمجھتا ہوں کیونکہ جانوروں پر حساب کتاب نہیں۔ اور کافر کو اس لئے اپنے سے بہتر سمجھتا ہوں کہ ابھی موت نہیں آئی، ہوسکتا ہے اسے مرنے سے پہلے کلمہ نصیب ہوجائے اور ہمارے خاتمہ کا پتا نہیں کہ کیسا ہو؟ ایک ہندو بنیا کو مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں دیکھا کہ جنت میں ٹہل رہا ہے، بنیے کو ہندوستان میں لالا جی کہتے ہیں، تو پوچھا کہ لالہ جی جنت میں کیسے پہنچ گئے؟ اس نے کہا، مولوی صاحب! مرنے سے پہلے ہوش میں ان کہی پڑھ لیا تھا، کلمہ کا نام ہندو نے ان کہی رکھا ہے، یعنی نہ کہنے والی بات۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی فنائیت

تو فنائیت کیا چیز ہے؟ کوئی اپنے کو کیسے مٹائے؟ کیا قبر میں جا کے لیٹ جائے؟ مٹنے سے مراد یہ ہے کہ دل میں اپنے کو سب سے کمتر سمجھو، اخلاق سے پیش آؤ، ہر مسلمان بھائی سے مسکرا کے تبسم کے ساتھ خندہ پیشانی سے اس کو

سلام کرو کیونکہ جب دل میں کبر آتا ہے تو اس کو غصہ زیادہ آتا ہے، وہ اکڑفوں سے رہتا ہے، اپنے کو لئے دئے رہتا ہے اور اللہ والوں کی کیا شان ہے کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ جارہے ہیں، ایک بدکار عورت نے اپنے کوٹھے سے ان کے اوپر راکھ پھینک دی، تو فرمایا الحمدللہ۔ مریدوں نے کہا حضرت! اجازت دیجئے ابھی اس کو ٹانگ سے گھما کے چھپکلی کی طرح دیوار سے چپکا دوں؟ فرمایا آپ اس قابل نہیں کہ میرے ساتھ رہیں، فقیروں کے ساتھ رہنے کے آپ قابل نہیں، یہ راستہ صبر کا ہے، اللہ والوں کا راستہ انتقام کا نہیں ہے۔ خادموں نے پوچھا پھر آپ نے الحمدللہ کیوں کہا، یہ کونسی نعمت ملی ہے؟ فرمایا کیا یہ نعمت کم ہے کہ جو سر آگ برسانے کے قابل تھا اس پر راکھ برسائی گئی، کیا یہ نعمت نہیں ہے؟ اتنا گنہگار ہوں کہ مجھ پر آگ برسنی چاہیے تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے آگ برسانے کے بجائے راکھ برسا دی۔

مومن کا محبوب اللہ اور نفس کا محبوب گناہ ہیں

تو ادب بہت ضروری ہے، اساتذہ کا ادب، والدین کا ادب، ہر بڑے کا ادب اور شیخ کا تو کیا کہنا ہے، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ادب کیا ہے؟ اتباعِ سنت۔ سنت کو معمولی سمجھنا اور سنت کے ساتھ ہنسی مذاق کرنا، داڑھی کا مذاق اڑانا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ بے ادبی ہے۔ اور اللہ کا کیا ادب ہے؟ اللہ کا ادب یہ ہے کہ اپنے مالک کو ناراض نہ کیا جائے، گناہوں سے بچا جائے، جو شخص مجرمانہ حرکت کرتا ہے یہ اللہ کا بے ادب ہے۔ اس لئے حکم ہے:

﴿ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ﴾

(سورۃ الانعام: آیۃ ۱۲۰)

کہ ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ دو باطنی گناہ کو بھی چھوڑ دو لہٰذا ہمارے اکابر نے فرمایا نماز روزہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا حق ہے اور گناہ سے بچنا اللہ تعالیٰ کی

بڑائی اور عظمت کا حق ہے، وہ بہت ہی روسیاہ اور محروم ہے جو گناہ نہیں چھوڑتا، نفس کی حرام لذت کا پرانا عادی بنا ہوا ہے۔ نفس جو ہے گناہ چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا کیونکہ اس کا محبوب گناہ ہے اور مومن کا محبوب اللہ ہے، دونوں اپنے اپنے محبوب کی تلاش میں ہیں، جو نفس پر غالب آجائے، جیت جائے وہ اللہ کا ولی ہو جاتا ہے اور جو دشمن کا غلام بن گیا تو دشمن اپنا محبوب حاصل کرے گا یعنی ہر وقت گناہ، عورتوں کو دیکھنا، امردوں سے گپ شپ لگانا، گانے سننا، یہ نفس دشمن کا مطالبہ ہے، جو اس کی بات مان لے گا گویا اس نے نفس کو اس کی محبوب چیز دے دی۔

نافرمانوں سے اللہ اپنے دین کی خدمت نہیں لیتا

غرض ہر گناہ سے بچیں خاص کر جوانی کے گناہ سے بچیں، طلباء کرام سے خصوصی گذارش کرتا ہوں کہ جوانی میں کوئی طالب علم شاید ہی چوری کرتا ہو، بہت ہی نالائق طالب علم ہوگا جو کسی کا مال کبھی چرائے گا، اکثر طلباء جھوٹ بھی نہیں بولتے، نماز بھی پڑھتے ہیں ماشاء اللہ، مگر آنکھوں کے کچے ہوتے ہیں۔ کوئی خوبصورت لڑکا ہو تو اس کو دیکھ رہے ہیں، جوانیاں اس میں تباہ ہو گئیں، جن لڑکوں نے، جن بچوں نے اپنی آنکھوں کو حسین لڑکوں سے یا لڑکیوں سے نہیں بچایا اور کہیں پھنس گئے تو جوانی برباد کر لی۔ میرے ساتھیوں میں ایک اسی قسم کا ساتھی تھا جو گناہ سے نہیں بچتا تھا، اس کا وبال یہ آیا کہ ظالم بخاری شریف پڑھ کر درزی بن گیا، کوئی دینی خدمت اللہ نے اس سے نہیں لی۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی کے بعد کوئی یہ امید رکھے کہ میں علم کے لئے، دین کی خدمت کے لئے قبول کیا جاؤں تو یہ اس کی حماقت ہے۔ دیکھئے آپ ہم ملازم رکھتے ہیں تو کیسا رکھتے ہیں؟ وفادار، مخلص، تو اللہ تعالیٰ اپنے دین کے لئے ایسے کو کس طرح قبول کرے گا جو ظالم گناہ نہیں چھوڑتا، کیسے اس سے دین کی خدمت

لے گا؟ کسی بزرگ کی برکت سے رسوائی سے وقتی طور پر بچ جائے تو اور بات ہے لیکن کسی وقت اللہ ایسے اس کو نکالے گا اور ذلیل فرمائے گا کہ یہ بھی یاد کرے گا۔

جو ظالم اپنے پالنے والے سے اپنے کو دور رکھنے پر صبر کئے ہوئے ہے، راضی ہے اس سے بڑھ کر بے غیرت، کمینہ، بے حیا اور ناشکرا دنیا میں کون ہوسکتا ہے؟ آپ بتاؤ! صرف دس دن کھانا نہ ملے پھر میں ان عاشق مزاجوں سے پوچھتا ہوں کہ اب کیا ذوق ہے؟ اس وقت روٹی چاہیے یا معشوق لایا جائے۔ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دمشق میں حسن پرستی عام ہوگئی تھی، اللہ کا غضب نازل ہوا، بارش بند ہوگئی، غلہ ختم ہوگیا، جب پندرہ دن کھانا نہیں ملا تو لوگوں نے ان عاشقوں سے پوچھا کہ میں اس وقت آپ کے لئے روٹی لاؤں یا آپ کا معشوق لاؤں؟ تو سب نے کہا کہ معشوقوں پر جھاڑو مارو، روٹی لاؤ، اب تو یہ حال ہے کہ آنکھ سے نظر بھی نہیں آرہا ہے ؎

چناں قحط سالی شد اندر دمشق
کہ یاراں فراموش کردند عشق

ایسا قحط پڑا کہ یاروں نے عشق بازی بھلادی، تو دوستو! جس کا رزق کھاتے ہو اس کے نمک کا شکریہ ادا کرو، نمک حلال رہو نمک حرامی مت کرو۔ یہ تقریر اس وقت یاد کرو جب کوئی حسین سامنے آجائے تو میں سمجھوں کہ آپ نے اختر کی محبت کا حق ادا کیا۔

درس کے دوران امردوں کو دائیں بائیں بٹھانا چاہیے

مولانا نورالاسلام صاحب نے جو چاٹگام بنگلہ دیش کے محدث ہیں، میرے خلیفہ بھی ہیں، مجھ سے ایک سوال کیا کہ میں بخاری اور مسلم پڑھاتا ہوں تو داڑھی والے طالب علم ہوتے ہیں، بڑے لڑکے ہوتے ہیں لہٰذا کوئی تشویش

نہیں ہوتی۔ جب کبھی مہتمم صاحب ہمیں تدریس کے لئے کافیہ دے دیتے ہیں تو اس میں لڑکے بے داڑھی مونچھ کے، پندرہ سال سولہ سال کے ہوتے ہیں جنہیں دیکھنے سے پرہیز ضروری ہے، نفس میں برے خیالات آ سکتے ہیں، اس کا کیا علاج ہے؟ تو میں نے عرض کیا کہ ایک لڑکا اگر کسی لڑکے سے تکرار کرتا ہے اور دونوں حسین ہیں، گندے خیالات آنے لگیں تو ان کو آپس میں تکرار جائز نہیں ہے ورنہ نفس کا جھگڑا شروع ہوجائے گا، تکرار معنی جھگڑا بھی ہے۔ لہٰذا اس پر لازم ہے کہ کسی اور سے تکرار کرے، اصلاحِ نفس فرض ہے، گناہ سے بچنا فرضِ عین ہے اور علم حاصل کرنا، مولوی بننا فرضِ کفایہ ہے۔ آپ چونکہ استاد ہیں، تو ایسے لڑکے جن سے مجاہدہ ہوتا ہو، ان میں اللہ تعالیٰ نے زیادہ حسن رکھا ہو تو آپ ایسے بچوں کو دائیں بائیں بٹھائیں۔ امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو پیچھے بٹھاتے تھے:

((کَانَ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ صَبِيْحًا وَّكَانَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ يُجْلِسُهٗ فِيْ دَرْسِهٖ خَلْفَ ظَهْرِهٖ مَخَافَةَ خِيَانَةِ الْعَيْنِ مَعَ كَمَالِ تَقْوَاهُ))

(ردالمحتار: کتاب الحظر والاباحۃ، باب النظر واللمس، جز ۲۶ ص ۳۷۴)

جب ان کو یہ احساس ہوا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اتنے حسین وجمیل ہیں، ابھی داڑھی بھی نہیں آئی، اللہ کے خوف سے پیچھے بٹھاتے تھے لیکن آپ اگر پیچھے بٹھائیں گے تو اول تو امام صاحب کا زمانہ نہیں ہے، مہتمم آپ کو استاد ہی نہیں رکھے گا، امام صاحب تو کسی کے ملازم نہیں تھے، کسی کے نوکر نہیں تھے، لیکن آج کل کوئی مدرس ایسا کرے تو سب سے پہلے تو مہتمم صاحب اسے اپنے مدرسہ سے نکال دیں گے۔ جنوبی افریقہ میں ایک مولوی صاحب لڑکیوں کے اسکول میں اسلامیات وغیرہ کے ٹیچر ہوئے، باندا کے تھے، قاری صدیق صاحب باندوی دامت برکاتہم کے صحبت یافتہ تھے، تو کہنے لگے کہ میں نے جب پڑھانا شروع کیا تو میں نے

لڑکیوں کی طرف دیکھا نہیں، آنکھ بند کر کے تقریر کی تو پرنسپل صاحب پہچان گئے اور کہا کہ دیکھئے جناب! میں آپ کو نوکری سے نکال دوں گا، اگر پڑھانا ہے تو لڑکیوں کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر پڑھاؤ۔ آہ نکل گئی، میں نے کہا ایسی ملازمت کو لعنت بھیجو، جو نوکری ہمیں خدا سے دور کرتی ہو، ایسے پیٹ کو لات مارو، فاقہ کرلو، پیٹ پر پتھر باندھ لو، نمک روٹی کھالو۔

تو میں نے محدث صاحب سے کہا کہ آپ انہیں دائیں بائیں بٹھاؤ اور سامنے ان لڑکوں کو بٹھاؤ جو کم حسین ہوں یا غیر حسین ہوں تو یہ متن بن جائیں گے اور وہ لڑکے جو ذرا حسن میں کوئی درجہ رکھتے ہیں وہ حاشیہ بن جائیں گے اور حاشیہ باریک ہوتا ہے، مشکل سے پڑھا جاتا ہے، ہلکا سا مجاہدہ رہ جائے گا اور اگر ان لڑکوں کو اشکال ہو کہ استاد ہماری طرف دیکھتے نہیں تو اعلان کردو کہ جن لڑکوں کی طرف میں نہیں دیکھتا ہوں، وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کو برکت نہیں ہوگی، ان شاء اللہ ان کو زیادہ نفع ہوگا کیونکہ میں اللہ کے لئے ان کو نہیں دیکھتا۔ علم اللہ دیتا ہے، جب اللہ زیادہ خوش ہوگا تو ہمیں بھی زیادہ دے گا ان کو بھی زیادہ دے گا۔

ایک عاشقِ مجاز کا علم سے محرومی کا عبرت انگیز واقعہ

اور یہ قصہ بھی انہوں نے ہی سنایا کہ ہم جب پڑھتے تھے تو ایک طالب علم نے اپنے ایک ساتھی سے عشق کرنا شروع کردیا، مشکوٰۃ شریف پڑھ رہا ہے اور اس کو دیکھ رہا ہے، کیا حدیث آئے گی ایسے ظالم کو؟ ہر وقت اس کو دیکھ رہا ہے، اور اس کے پاجامے دھو رہا ہے، کپڑے دھو رہا ہے، غلام بن گیا۔ یہ عشق ناپاک جو ہوتا ہے یہ بڑوں بڑوں کو چھوٹوں کا غلام بنا دیتا ہے، بڑی بڑی داڑھی والوں کو غلام بنا دیتا ہے، سفید بالوں کو کالے بالوں کا غلام بنا دیتا ہے، بہت ہی عذابِ الٰہی ہے، میں بار بار یہی کہتا ہوں کہ غیر اللہ سے محبت کرنا عذابِ الٰہی ہے، جسے دنیا میں عذاب دیکھنا ہو، وہ ان لوگوں کو دیکھے جو کسی کے

عشق میں مبتلا ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ فیل ہوگیا، علم سے محروم ہوگیا، دیوبند بھی گیا لیکن داخلہ نہیں ملا، کچھ آتا جاتا نہیں تھا، عشقِ مجازی نے سب چاٹ لیا، اللہ کے حرام اعمال سے کہیں علم آتا ہے؟ وہاں بھی فیل ہوا۔ مولانا نے مجھے بتایا کہ اسی شہر میں مزدوری کررہا ہے ورنہ عالم ہوتا، حدیث پڑھاتا، محدث بنتا، مفسر بنتا۔

دین کی خدمت کس سے لی جاتی ہے؟

اگر طالب علم دو عمل کرلے، ایک آنکھوں کی حفاظت دوسرے زبان کی حفاظت، تو اس تقویٰ کی برکت سے وہ اگر ایک آنہ علم حاصل کرے گا تو اس میں سولہ آنہ برکت ہوجائے گی اور اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ مجھ سے اللہ تعالیٰ دین کا کام لے اور میں سرکاری کام کے لئے قبول کیا جاؤں تو اسے تمام گناہوں سے بچنا لازم ہے۔ تقویٰ سے رہے، اتباعِ سنت سے رہے اور پھر بزرگوں کا ساتھ ہو تو پھر کیا کہنا، ان شاء اللہ سونے پہ سہاگہ ہے، اب اگر سونا ہی نہیں ہے تو سہاگہ کیا کرے گا؟ اور جو ظالم گناہ ہی نہیں چھوڑتا، کیا اس کے علم میں برکت ہوگی؟ لہٰذا حرام لذت، بدنظری، آنکھوں کا زنا، یہ سب اللہ سے دور کرنے والے ہیں، مسجد میں بیٹھے ہیں اور دروازے پر یا فلیٹ کی طرف دیکھ رہے ہیں کہ شاید کوئی حسین لڑکا یا عورت نظر آجائے، داڑھی والے کے لئے عورت سے بڑا فتنہ کم عمر، حسین لڑکے ہیں۔ یہ طالب علمی کے زمانے کے گناہ ہیں، ان سے بچیں، جوانی کی حفاظت علم کی برکت کی ضمانت ہے۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی امردوں سے احتیاط

اس لئے عرض کرتا ہوں کہ دوستو! امردوں سے تو بہت بچو۔ بڑے ہوں یا چھوٹے ہوں، سفید داڑھی والے کیوں نہ ہوں، سب کے لئے یہ مرض بہت خطرناک ہے، مہتمم سے لیکر اساتذہ سے لیکر طلبہ تک سب کو بچنا چاہیے، پیر کو بھی

بچنا چاہیے، شیخ کو بھی بچنا چاہیے۔ یہ باتیں ہمارے بزرگوں نے ہمیں سکھائیں، حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کتنے بڑے شیخ تھے، علماء کے شیخ تھے یا نہیں؟ لیکن حضرت کے پاس ایک بے داڑھی مونچھ کا لڑکا چلا گیا، حضرت اوپر سے نیچے آگئے اور اپنے بھتیجے مولانا شبیر علی سے فرمایا کہ میری تنہائی میں ایسے لڑکوں کو مت بھیجو جن کی داڑھی مونچھ نہ آئی ہو اور فرمایا جنہیں مجھ سے عقیدت ہے، جو مجھے حکیم الامت سمجھتے ہیں میرے اس عمل سے سبق حاصل کریں۔ اپنے نفس پر بھروسہ مت کرو، جن لوگوں نے اپنے نفس پر بھروسہ کیا اور سوچا تھوڑی بہت گپ شپ لگالو، گناہ نہیں کریں گے، بڑا گناہ نہیں کریں گے لیکن یہی چھوٹے گناہ پھر بڑے گناہ تک لے جاتے ہیں، پھر دلدل میں پھنس گئے، گناہوں میں مبتلا ہوگئے، جو عزت تھی خاک میں مل گئی، جو لوگ حضرت حضرت کہتے تھے اب وہ شیطان کہنے لگے۔ اگر کسی سے کوئی گناہ اس قسم کا ہوجائے شاگردوں کے ساتھ یا مریدوں کے ساتھ تو پھر ساری زندگی کے لئے آبرو ختم ہوجائے گی اور کہے گا ''شیطان تھا کم بخت۔ صورت دیکھو تو بایزید بسطامی کی، عمل دیکھو تو یزید بھی شرما جائے۔'' اس لئے کہتا ہوں کہ علم سے زیادہ تقویٰ کی فکر رکھو، ان شاء اللہ علم میں خوب برکت آئے گی، ایسی برکت آئے گی کہ آپ لوگ یاد کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کا کیا کرم ہے۔

حسن کی فنائیت

میں اس لئے صاف صاف بیان کرتا ہوں کہ میں اپنا اور اپنے دوستوں کا بھلا چاہتا ہوں کہ ہم سب اللہ والے ہوجائیں اور اللہ والے کب ہوں گے؟ جب تقویٰ سے رہیں گے۔ ایک ذرہ حرام مزہ نہ چکھیں، ایک اعشاریہ، ایک سانس اللہ کی نافرمانی میں نہ گزاریں پھر دیکھنا، خدا دل میں کیا بہار دیتا ہے۔ جو بندہ

اپنے اللہ کو اتنا خوش کرے گا کہ ایک سانس بھی حرام خوشیوں سے اپنے دل کو خوش نہیں کرے گا تو اس کے دل پر اللہ لامحدود خوشیاں برسائے گا، وہ شکور ہے، جزائے جزیل دے گا ان شاء اللہ۔ ایسی خوشی دے گا کہ بادشاہ اس کا تصور نہیں کر سکتے، پوری دنیائے رومانٹک، یہ حسینوں کا عشق بازیوں کا چکر اور پوری دنیائے سلطنت اور سلاطین کے تخت و تاج اور پوری دنیائے کباب و بریانی، ساری دنیا کی جتنی بھی لذتیں ہیں، سب اللہ تعالیٰ کے قرب کی لذت کے مقابلہ میں ہیچ ہیں کیونکہ ساری لذتیں مخلوق ہیں یہاں تک کہ جنت کی لذتیں بھی مخلوق ہیں۔ اللہ کے قرب کی لذت کا مزہ جنت بھی نہیں پا سکتی سوائے دیدارِ الٰہی کے جو درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی لذت ہوگی۔ کاش یہ راز آپ کے دلوں میں اور میرے دل میں اللہ تعالیٰ اتار دے کہ ہم ایک سانس بھی اللہ تعالیٰ کو ناراض نہ کریں۔

علم کی روح کیا ہے؟

دوستو! جس کو اللہ تعالیٰ تھوڑے سے علم پر عمل کی توفیق دے دے وہ زندگی پا جاتا ہے، حیات پا جاتا ہے اور اگر عمل نہیں ہے تو بس مردہ ہے۔ شیرِ مردہ بہ یا گربۂ مسکین، مردہ شیر سے زندہ بلی بہتر ہے، اس لئے علم کی نافعیت اور علم کا مفید ہونا چند چیزوں پر منحصر ہے جس کے ملنے سے اس کا فائدہ کامل ہوتا ہے۔ علم پر عمل کی توفیق ہو، علم کے ساتھ عمل ہو اور عمل کے ساتھ اخلاص ہو اور اخلاص کے بعد پھر وہ سنت کے مطابق ہو۔ علم، عمل، اخلاص، سنت۔ چاروں چیزوں پر جا کر علم کامل ہوتا ہے اور اللہ تک پہنچا دیتا ہے ۔

جانِ جملہ علمہا این ست و ایں
کہ بدانی من کیم در یوم دیں

سارے علم کی روح یہ ہے کہ قیامت کے دن ہمارا کام بن جائے اور مالک ہم سے خوش ہو جائے۔ اس لئے علم کے ساتھ عمل کی توفیق مانگئے اور توفیقِ عمل کے ساتھ

اخلاص مانگئے اور اخلاص وہی قبول ہے جو سنت کے مطابق ہو۔ مثلاً ایک شخص عصر کے بعد اپنا دروازہ بند کر کے تنہائی میں، ساری مخلوق سے پوشیدہ نفلیں پڑھ رہا ہے، بتاؤ! اخلاص ہے یا نہیں؟ سارے کمرے بند ہیں، بیوی بچوں کو بھی نہیں دکھا رہا ہے لیکن سنت کے مطابق نہیں ہے، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے، بخاری شریف کی حدیث ہے اور اس کے راوی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں:

((مَا رَأَيْنَاهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيهِمَا وَلَقَدْ نَهٰى عَنْهُمَا يَعْنِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ))

(صحیح البخاری: (قدیمی)، کتاب مواقیت الصلوۃ، ج ۱ ص ۸۳)

عصر کے بعد کوئی نفل قبول نہیں لہٰذا سنت کے مخالف کتنا ہی اخلاص سے عمل ہو وہ قبول نہیں۔ علم، عمل اور اخلاص جب تابع فرمانِ سنت ہو تب جا کر وہ مکمل ہو جاتا ہے، اس کے بعد بھی ایک کسر اور کمی باقی رہتی ہے کہ اللہ سے ڈرتا رہے، دعا کرتا رہے کہ آپ قبول بھی فرما لیجیے، یہ سنتِ صحابہ ہے۔ علم تھا، عمل تھا، اخلاص تھا اور سنت کے مطابق تھا، ایک مستزاد خوف صحابہ کو حاصل تھا کہ یا اللہ! اس کو قبول فرما لے۔ اللہ سے رونے کا اور خوف رکھنے کا ثبوت پیش کرتا ہوں۔ علم، عمل، اخلاص اور تابعِ فرمان سنت ہونے کے باوجود خوف ہونا اس کو میں پانچویں ضروری شرط قرار دیتا ہوں کہ جس سے یہ عمل قیامت کے دن مفید ہوگا۔ علم عمل کے ساتھ مقرون ہو، وہ عمل اخلاص کے ساتھ مقرون ہو، وہ اخلاص تابعِ فرمانِ سنت ہو اور اس کے بعد ایک پانچواں عمل بھی ہے وہ قلب کا عمل ہے کہ دل میں اکڑ نہ آئے، تکبر نہ آئے اور خوف ہو کہ معلوم نہیں ہمارا عمل قبول ہے یا نہیں؟ تو ان پانچ چیزوں سے مل کر قیامت کے دن وہ علم مفید ہوگا یعنی آخرت کی تعمیر اور قیامت کے دن کی کامیابی پانچ چیزوں پر منحصر ہے کہ جن سے مرکب ہو کر تب میدانِ محشر میں یہ پڑھنا پڑھانا کام آئے گا اور

قیامت کے دن کامیابی کا جھنڈا اس کا لہرا جائے گا۔ یہ سنتِ صحابہ بھی ہے اور سنتِ پیغمبرانہ بھی ہے اور دونوں کا ثبوت قرآن پاک سے پیش کرتا ہوں۔

نیک اعمال کے باوجود اعترافِ قصور کرنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جب کعبہ شریف بنالیا، تعمیر کعبہ کے بعد یہ دعا مانگی:

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۝﴾

(سورۃ البقرۃ: آیۃ ۱۲۷)

وہاں علم بھی تھا، عمل بھی تھا، اخلاص بھی تھا، اور صاحبِ نبوت تو دونوں خود تھے، لیکن اپنا خوف ظاہر کردیا رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا کہ ہم دعویٰ نہیں کرسکتے کہ تعمیرِ کعبہ آپ کے ہاں ضرور قبول ہے، ہم درخواست کرتے ہیں، بابِ تفعُّل کے ساتھ درخواست کی، علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب نکتہ لکھا:

((فِي اخۡتِيَارِ صِيۡغَةِ التَّفَعُّلِ اعۡتِرَافٌ بِالۡقُصُوۡرِ))

(روح المعانی: (مکتبہ رشیدیہ)؛ ج ۱ ص ۵۲۳)

اے اللہ! آپ کی عظمت کے شایانِ شان ہم سے کعبہ کی تعمیر نہیں ہوسکی، تقبّل بابِ تفعل سے ہے یعنی اللہ کے حضور اعتراف کرلیا کہ اے اللہ! آپ کا گھر جس شانِ عظمت کے ساتھ تعمیر ہونا چاہیے تھا تو آپ کا وہ حق ہم دونوں پیغمبروں سے ادا نہیں ہوا، ہم اس میں قاصر ہیں، ہم اعترافِ قصور کرتے ہیں اور آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ ازراہِ کرم ہماری اس تعمیر کو قبول فرمالیجیے، گویہ آپ کی شانِ قبولیت کے قابل نہیں لہٰذا آپ بتکلف اپنی رحمت سے قبول فرمالیجیے۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يُؤۡتُوۡنَ مَاۤ اٰتَوۡا وَّ قُلُوۡبُهُمۡ وَجِلَةٌ﴾

(سورۃ المؤمنون: آیۃ ۶۰)

اللہ کے راستے میں خوب دیتے ہیں۔ 'ما' اسمِ موصول ہے جو مبالغہ کے لئے

آ تا ہے، اتنا دیتے ہیں کہ وہ نا قابل شمار ہے، لیکن باوجود اللہ کے راستے میں بے حد خرچ کرنے کے، ان کے دل ڈرتے رہتے ہیں، اَکڑ نہیں آتی، یہ دلیل قبولیت ہے۔ جس کو عمل کے بعد بڑائی آ جائے، سمجھ لو کہ اس کا عمل قبول نہیں ہوا، عمل کے مقبول ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں مزید فنائیت پیدا ہو جائے کہ معلوم نہیں قبول ہے یا نہیں، ڈرتا رہے کرتا رہے۔ یہ مولانا شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ کے دو جملے ہیں، ڈرتے رہو کرتے رہو، نہ اتنا کرو کہ بے ڈر ہو جاؤ، نہ اتنا ڈرو کہ کرنا ہی چھوڑ دو، مارے ڈر کے چار پائی پر لیٹ گئے، بالکل ہاتھ پاؤں ڈھیلے ہو گئے اور بیمار پڑ گئے۔

شیخ کے لئے دکھاوا کیا جا سکتا ہے اگر چہ نہ کرنا بہتر ہے

اور مخلوق سے کہتے مت پھرو، مخلوق سے ظاہر مت کرو کہ میں نے فلاں مدرسے میں اتنا چندہ دیا، تذکرہ سے اندیشہ ہے کہ اِدھر اُدھر گڑ بڑ نہ ہو جائے۔ اگر اپنے شیخ کا دل خوش کرنا ہے تو بھی تنہائی میں بیان کرو، شیخ پوچھے تو بتا دو چونکہ رِضائے شیخ کو بزرگوں نے لکھا ہے کہ شیخ کو خوش کرنا اللہ تعالیٰ ہی کو خوش کرنا ہے، اس لئے اس میں گنجائش تو ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ کسی کو نہ بتائے کیونکہ بخاری شریف کی حدیث ہے:

((سَبْعَةٌ يُّظِلُّهُمُ اللهُ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ ....وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ اِخْفَآءً حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهٗ))

(صحیح البخاری: (قدیمی)؛ کتاب الاذان؛ ج ۱ ص ۹۱)

سیدھے ہاتھ سے دو تو بائیں کو بھی خبر نہ ہو۔ اسی لئے مفتی اعظم مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ نیکی کر دریا میں ڈال۔ صرف شیخ ایک ایسی شخصیت ہے کہ مرید اطلاع کر سکتا ہے، وہ بھی سب کے سامنے نہیں مگر شیخ کو بھی نہ بتانا بہتر ہے کیونکہ بخاری شریف کی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ سیدھے ہاتھ

سے دو تو بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہونے دو مگر پیر کو بتا دو، اپنی نیکیوں کو شیخ پر بھی مت ظاہر کرو کہ ہم نے مسجد میں اتنا دیا اور مدرسے میں اتنا دیا، بس اللہ سے قبولیت کی دعا کرو اور ڈرتے رہو کہ معلوم نہیں قبول بھی ہے یا نہیں؟

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا مجذوبوں کے ساتھ برتاؤ

لیکن اتنا ڈر بھی نہ ہو کہ ہر کام سے معطل ہو جائے، پوچھو تو کہتے ہیں کہ آخرت کا خوف بیٹھ گیا ہے، اکثر جاہل پیروں کی وجہ سے تصوف میں آ کر لوگ پاگل ہو گئے۔ یا وظیفہ اتنا کرا دیا کہ دماغ آؤٹ ہو گیا یا خوف اتنا دلا دیا کہ اپنے کو پکا دوزخی سمجھنے لگے، پاجامہ اتار کر ننگے پھر رہے ہیں، لوگ سمجھتے ہیں کہ مجذوب ہو گیا، مجذوب نہیں پاگل ہو گیا۔ یہ مجذوب نہیں ہے جو بے اعتدالی سے دماغ آؤٹ آف مائنڈ ہو جائے، جو اصلی مجذوب ہوتے ہیں وہ شریعت کے پابند ہوتے ہیں۔ بہر حال مجذوبوں کے چکر میں نہ رہو، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک زمانے میں دو مجذوبوں کا پہرا لگ گیا۔ کچھ خطوط دھمکی کے آئے کہ قتل کر دیں گے تو دو مجذوب خانقاہ کے باہر پہرا دیتے تھے، ایک جاتا تھا تو دوسرا آ جاتا تھا۔ حضرت سے لوگوں نے کہا کہ خانقاہ کے باہر دو مجذوب پہرا دے رہے ہیں، آپ ان سے مل لیجیے، حضرت نے فرمایا کہ میں مجذوبوں سے نہیں ملا کرتا، میں جاذب سے ملتا ہوں جس نے ان کو جذب کیا ہے۔ اور فرمایا کہ مجذوب جو ہوتا ہے وہ سالک اور قطب الارشاد کا چپڑاسی ہوتا ہے جو دین کی خدمت کر رہے ہیں، جنہیں قطب الارشاد کہا جاتا ہے، ان کا درجہ ساری دنیا کے مجاذیب سے افضل ہے۔ اور فرمایا کہ مجذوبوں کی ملاقات مفید بھی نہیں ہوتی کیونکہ ان کے منہ سے وہی نکلے گا جو انہیں اللہ کی مرضی نظر آ رہی ہے، جو ان کو الہام ہو رہا ہے اور قطب الارشاد اپنی دعاؤں سے آپ کی سوءِ قضا کو حسنِ قضا سے بدلوا دے گا کہ اگر قسمت میں نعوذ باللہ خاتمہ خراب لکھا ہے یا

کوئی بلا، کوئی مصیبت لکھی ہے تو وہ اللہ والا دعائیں کرے گا کہ اے اللہ! میرے لئے، میرے بچوں کے لئے، میرے دوستوں کے لئے ہر سوءِ قضا کو حسنِ قضا سے بدل دے، حدیث کی دعا ہے:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُبِکَ مِنۡ جَھۡدِ الۡبَلَآءِ وَدَرۡکِ الشَّقَآءِ وَسُوۡٓءِ الۡقَضَآءِ وَشَمَاتَۃِ الۡاَعۡدَآءِ))

(صحیح بخاری: (قدیمی)، کتاب القدر، باب من تعوذ باللہ، ج ۲ ص ۹۷۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لئے چار دعائے نبوت

جَھۡدِ الۡبَلَآءِ کیا ہے؟ اس کی دو شرح ہیں، ایک: شدید مشقت، ایسی مصیبت جس کی وجہ سے مبتلائے مصیبت موت کی تمنا کرنے لگے۔ ۲: ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شرح میں لکھا ہے:

((عَنِ ابۡنِ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ عَنۡھُمَا اَنَّہٗ فَسَّرَہٗ بِقِلَّۃِ الۡمَالِ وَ کَثۡرَۃِ الۡعِیَالِ))

(مرقاۃ المفاتیح: (رشیدیہ)، باب الاستعاذۃ، ج ۵ ص ۳۶۵)

اولاد زیادہ اور مال کم ہو۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دعا دی، دس سال کے تھے، ان کی اماں حضرت اُمِّ سُلیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کی خدمت میں دس سال کا چھوٹا سا خادم دے رہی ہوں، اس کے لئے دعا فرمادیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار دعائیں دیں:

((اَللّٰھُمَّ بَارِکۡ فِیۡ مَالِہٖ وَوَلَدِہٖ وَأَطِلۡ عُمۡرَہٗ وَاغۡفِرۡ ذَنۡبَہٗ))

(مرقاۃ المفاتیح: (رشیدیہ)، کتاب الایمان، ج ۱ ص ۱۳۹)

اللہ اس کے مال میں برکت دے، اس کی اولاد میں برکت دے، اس کی عمر دراز کردے اور اس کی مغفرت فرمادے۔ محدثین لکھتے ہیں کہ مال کی برکت کو مقدم فرمایا کہ دس سال کا بچہ ہے، ڈر جائے گا کہ اولاد زیادہ ہوگی تو کہاں سے کھلاؤں گا؟ مال میں اتنی برکت ہوئی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اِنَّ ثَمَرَتِیْ لَتَحْمِلُ فِی السَّنَةِ مَرَّتَیْنِ کہ میری لگائی ہوئی کھجوروں میں دو دو فصل آتی تھیں اور جس درخت کو میں اکھاڑ کر دوبارہ لگا دیتا تھا، اس میں بھی دو فصلیں آنے لگتی تھیں، یہ ہے ۔

جی اٹھے مردے تری آواز سے

اور اولاد بھی اتنی ہوئی کہ فرماتے ہیں لَقَدْ دَفَنْتُ مِنْ صُلْبِیْ مِأَةً اِلَّا اثْنَیْنِ میں نے اپنی اولاد میں سے ۹۸ کو خود دفن کیا۔ اور عمر اتنی ہوئی کہ فرماتے ہیں لَقَدْ بَقِیْتُ حَتّٰی سَئِمْتُ الْحَیَاةَ میں اتنا زندہ رہا کہ جیتے جیتے تھک گیا، چنانچہ اسماء الرجال میں ہے کہ ایک سو تین سال کی عمر پائی اور فرمایا کہ وَ اَنَا اَرْجُو الرَّابِعَةَ اَیِ الْمَغْفِرَةَ چوتھی دعا کی امید رکھتا ہوں یعنی مغفرت کی، ان شاء اللہ۔ عہدِ خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں تعلیم فقہ کے لئے بصرہ منتقل ہو گئے تھے، یہ بصرہ کے آخری صحابی ہیں، ان کے انتقال کے بعد بصرہ صحابہ سے خالی ہو گیا۔

(مرقاۃ: ج۱ص ۱۳۹: اسماء الرجال: ص ۵۸۵)

ترکِ گناہ کی ہمت استعمال نہ کرنے پر ایک حدیث سے عجیب استدلال

وَ دَرْكِ الشَّقَآءِ: اور اے اللہ! ہمیں بدنصیبی نہ پکڑے، بدنصیبی اور شقاوت آتی ہے نافرمانی سے، اس لئے بھی گناہ پر جرأت کرنا چھوڑ دو، اللہ کو بہادری مت دکھاؤ، نفس دشمن کی خاطر سے دوست کو مت چھوڑو۔ پھر طبعی طور پر نفس کا مزاج یہ ہے کہ جس نے اس کو خوش کیا مرتے دم تک گناہ کے ساتھ قبر میں دفن ہو جائے گا اور جس نے ہمت کر کے نفس کے تقاضوں کو نہیں مانا، روز بروز اس کا تقاضا ضعیف ہوتا چلا جائے گا۔ جیسے شیر کو کھانا نہ دو تو آہستہ آہستہ سانس لیتا رہے گا لیکن حملہ نہیں کر سکتا، اٹھنے کی طاقت ہی نہیں رہے گی، اسی طرح نفس کی غذا گناہ ہے، اس کو جو گناہ کی غذا دے گا تو اس کا نفس اور تگڑا ہو جائے گا،

اگر اپنے نفس کو کمزور کرنا ہے تو گناہ چھوڑنے کی ہمت کرو، گناہ چھوڑنے سے مر نہیں جاؤ گے، میں لکھ کر دیتا ہوں، بلکہ گناہ کر کے مرو گے۔ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے حیات میں اور حیات آئے گی، خالقِ حیات کی خوشنودی سے اور جان میں جان آ جائے گی۔

آپ کے نام پر جان دے کر
زندگی زندگی پا گئی ہے

یہ اختر کا شعر ہے۔ دوستو! یہ راستہ ہمت کا ہے، ہمت سے کام لو، اگر ہمت نہیں استعمال کرو گے جو اللہ نے آپ کو ہم کو عطا فرمائی ہے تو اس نعمت کی ناشکری پر موت اسی حالت میں آ جائے گی۔ کیا آپ نے یہ حدیث نہیں پڑھی:

((اِنَّ اللہَ یُحِبُّ اَنْ یَّرٰی اَثَرَ نِعْمَتِہٖ عَلٰی عَبْدِہٖ۔ رواہ الترمذی))

(مشکوٰۃ المصابیح: (قدیمی)؛ کتاب اللباس؛ ص ۳۷۵)

اللہ کو محبوب ہے کہ اپنی نعمت کا اثر اپنے بندوں پر دیکھے تو ہمت کا اثر بھی مالک دیکھنا چاہتا ہے کہ تم اپنی ہمت کو استعمال کرتے ہو یا نہیں؟ اس حدیث سے گناہ چھوڑنے کی ہمت پر یہ استدلال کیسا ہے کہ گناہ چھوڑنے کی ہمت کی نعمت کا اثر بھی اللہ دیکھنا چاہتا ہے۔ کوئی عورت سامنے آ جائے اور اس کے ساتھ ایک غنڈا بھی آ جائے کہ میری عورت کو دیکھ کر دکھاؤ، آپ کی دونوں آنکھوں پر یوں مکّا بھی مار رہا ہو تو آنکھ کھولے رکھو گے یا بند کر لو گے؟ بلکہ دونوں ہاتھ بھی آنکھوں پر رکھ لو گے تا کہ انگلیاں زخمی ہوں مگر میری آنکھ زخمی نہ ہو، لیکن حسینوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی عظمت کیوں یاد نہیں آتی؟ وہاں اس ہمت کا استعمال کیوں نہیں ہوتا؟ معلوم ہوا آپ کو اپنی آنکھیں عزیز ہیں، اگر اللہ بھی ایسے ہی پیارا ہوگا تو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے حرام لذتوں کو چھوڑ دو گے اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرو گے۔ اس لئے خالی جذبات پر مت اپنے کو عاشق سمجھو، جذبات

ہیچ ہیں جو مرتب عمل نہ ہوں، عمل کی توفیق اگر نہ ہو تو خالی جذبات سے تو سارے شاعر ولی اللہ ہو جاتے۔ آپ دیکھ لیجیے کہ کتنا زبردست شعر ہے ؂

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

لیکن کیا اس شعر سے ولی اللہ ہو جائے گا جب تک عمل کر کے نہ دکھائے؟ جان دینا تو درکنار، مالک کی مرضی پر آنکھ کی روشنی ہی فدا کر دو۔

اللہ تعالیٰ اپنے فیصلوں پر حاکم ہے محکوم نہیں

وَسُوْٓءِ الْقَضَآءِ: اور اے اللہ جو فیصلے ہمارے لئے مضر ہیں ان کو نیک فیصلوں سے تبدیل فرما۔ اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ بھئی اللہ کا لکھا ہوا تو بدلتا نہیں، تو جب اللہ نے ہمارے لئے لکھ دیا تو اللہ میاں کیسے بدلیں گے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کا لکھا مخلوق نہیں بدل سکتی، یہ تھوڑی ہے کہ اللہ بھی نہیں بدل سکتا۔ اگر اللہ بھی اپنا لکھا نہ بدل سکتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا ہمیں کیوں سکھاتے کہ جتنے فیصلے ہمارے لئے مضر ہیں ان کو مفید فیصلوں سے تبدیل فرما دیجئے۔ اور سوءِ قضا میں سوءٗ کی جو اضافت ہے یہ بحیثیت قاضی کے نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سوءٗ کا استعمال کرلو، بحیثیت مقضی کے ہے کہ بندے کے لئے جو فیصلہ مضر ہے۔ اللہ کا تو ہر فیصلہ حکیمانہ ہے، اللہ کبھی برا فیصلہ کر ہی نہیں سکتا، جو شخص یہ کہہ دے کہ اللہ برا فیصلہ کرتا ہے، کافر ہو جائے گا۔ اس لئے محدثین اس کا جواب دیتے ہیں کہ سوءٗ کی جو اضافت قضا کی طرف ہے، یہ بحیثیت قاضی نہیں ہے، فیصلہ کرنے والے کے لحاظ سے نہیں ہے بلکہ بحیثیت مقضی کے ہے کہ جن کے حق میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ مضر ہو تو اس کے لئے دعا کرو کہ اے اللہ! اپنے مضر فیصلوں کو، جملہ سوءِ قضا کو حسنِ قضا سے تبدیل فرما دیجئے۔ لہٰذا یہ کتنا بڑا علمِ عظیم ہے، یہ معمولی علم نہیں ہے، بہت عظیم علم ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے خدا!

اپنے جملہ سوءِ قضا کو ہمارے لئے حسنِ قضا سے تبدیل فرمادیجئے اور کیا جملہ فرمایا؟ میں تو کہتا ہوں کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے اس جملہ پر وجد آجاتا ہے کہ اے اللہ! جتنی بھی آپ کی قضا اور جتنا بھی آپ کا فیصلہ ہے، آپ اس کے حاکم ہیں، فیصلہ آپ پر حاکم نہیں ہے۔ آہ۔ کیا جملہ ہے! آپ کا فیصلہ آپ پر حاکم نہیں ہے، آپ اپنے ہر فیصلے پر حاکم ہیں۔ لہٰذا ہر وہ چیز جو ہمارے لئے مضر ہو اُس سوءِ قضا کو حسنِ قضا سے بدل دیجئے۔

وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَآءِ: اور دشمنوں کے ہنسنے سے بھی بچا، اللہ تعالیٰ ایسے دن سے بچائے کہ جس سے ہمارے کسی دشمن کو ہم پر ہنسنے کا موقع ملے۔

خشیت اور خوف میں فرق

تو هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ جو لوگ اپنے علم کے تقاضوں پر عمل کرتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنے جہل اور گمراہی کے مقتضیٰ پر عمل کرتے ہیں، دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اور اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا میں جو لفظ خشیت آیا ہے تو خشیت اور خوف میں کیا فرق ہے؟ مفسرین لکھتے ہیں کہ خشیت وہ خوف ہے جس میں عظمتِ الٰہیہ کا استحضار ہو اور خوفِ محض تو سانپ کا بھی ہوسکتا ہے، کسی کا بھی ہوسکتا ہے لیکن اس میں عظمت نہیں ہوگی۔ اس آیت کی تفسیر کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ سے کون لوگ ڈرتے ہیں؟ علمـــاء۔ علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں:

((اَلْمُرَادُ بِالْعُلَمَآءِ الْعَالِمُوْنَ بِاللّٰهِ لَا الْعَارِفُوْنَ بِالنَّحْوِ وَالصَّرْفِ))

(روح المعانی: (رشیدیہ)؛ تحت سورۃ فاطر، ج ۲۲ ص ۴۹۸)

اس سے مراد صرف صرف ونحو کے علماء نہیں ہیں بلکہ وہ علماء جو اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں یعنی اس کی صفات کو جانتے ہیں جیسے اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ۔ مفسرِ عظیم علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عَزِيْزٌ کے معنی ہیں:

((اَلْقَادِرُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّلَا یُعْجِزُہٗ جَلَّ شَاْنُہٗ شَیْءٌ))

(روح المعانی: (رشیدیہ)؛ سورۃ الھود، ج ۱۲ ص ۴۰۱؛ سورۃ لقمٰن ج ۲۱ ص ۱۳۶)

زبردست طاقت والا جو ہر شے پر قادر ہو اور اس کی طاقت کے استعمال کو ساری کائنات نہ روک سکتی ہو۔ جب ایسی قدرت والی ذات سے معاملہ ہے تو پھر اس سے ڈرنا مقتضائے عقل ہے، اور غَفُوْرٌ معنی بہت بخشنے والا تو مغفرت کے ساتھ عَزِیْزٌ کیوں نازل فرمایا؟ کیونکہ اگر کوئی شخص سزا دینے پر قادر نہ ہو تو اس کی معافی کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، مغفرت کی وقعت جب ہی ہوتی ہے جب سزا پر قادرِ مطلق ہو، جو زیادہ سے زیادہ سزا دے سکتا ہو، اس کی مغفرت اتنی ہی زیادہ باوقعت اور قدر و منزلت والی ہوتی ہے۔

عارفین کے خاشعین ہونے کا راز

تو اِنَّمَا یَخْشَی اللہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا میں وہ علماء مراد ہیں جو اللہ کی عظمتوں کے عارفین ہیں اَلْعَالِمُوْنَ بِاللہِ جو اللہ کو جانتے ہیں یعنی اس کی عظمتوں کو سمجھتے ہیں، تب ہی تو ڈرتے ہیں۔ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

((اَنَا اَعْلَمُکُمْ بِاللہِ وَ اَخْشَاکُمْ لَہٗ))

(مسند احمد: رقم الحدیث ۲۴۹۱۲؛ مرقاۃ المفاتیح: باب البکاء والخوف؛ ج ۹ ص ۵۴۱)

میں اللہ کو تم سب سے زیادہ جانتا ہوں اور زیادہ عظمت کی وجہ سے میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں۔ اب آپ سنئے کہ معرفت کے بعد خشیت کا کیا ربط ہے؟ ایک شخص نے ایک شیر کا بچہ بچپن سے پالا ہوا تھا، ایک کمرہ میں اس کو باندھ دیا اور اپنے مہمان کو بھی وہاں سلا دیا، مہمان رات بھر بالکل بے خبری سے سویا۔ رات کے تین بجے اسے استنجے کی ضرورت ہوئی، اندھیرے میں ویسے بھی شیر کی آنکھیں سرخ انگارے کی طرح چمکتی ہیں، جب مہمان نے اندھیرے کمرے میں شیر کی آنکھیں چمکتی ہوئی دیکھیں تو بجائے

استنجا خانے کے لیٹے لیٹے چارپائی پر ہی استنجا خانہ بنادیا، صبح اپنے دوست سے خوب لڑا۔ دوست نے کہا کہ میں نے تو تمہارا امتحان لیا ہے کہ شیر کی معرفت تمہیں رات کو نہیں تھی، تم شیر سے بے خبر تھے اس لئے وہاں سو گئے، اگر تمہیں خبر ہو جاتی تو تم کبھی وہاں سو نہیں سکتے تھے۔

امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں بِشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام

لٰہذا یہاں علماء سے مراد اللہ کے عالم ہیں، اسی لئے امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جب حضرت بِشر حافی رحمۃ اللہ علیہ آتے تھے کہ امام صاحب بڑے عالم ہیں، اللہ والے ہیں، صاحبِ فقہ ہیں تو امام صاحب احتراماً کھڑے ہو جاتے تھے۔ ایک دن شاگردوں نے پوچھا کہ حضرت! یہ ایک غیر عالم آدمی ہیں، ان کے لئے آپ کیوں کھڑے ہو جاتے ہیں؟ تو فرمایا کہ یہ کتاب کا تو عالم نہیں لیکن عالم باللہ ہے، اللہ کو خوب جانتا ہے، اللہ کو اتنا جانتا ہے کہ:

((وَ اَنَّ سَبَبَ تَوْبَتِہٖ اَنَّہٗ وَجَدَ رُقْعَۃً فِیْھَا اسْمُ اللّٰہِ عَزَّ وَ جَلَّ فِیْ اَتُّوْنِ حَمَّامٍ فَرَفَعَھَا ... ثُمَّ ذَھَبَ اِلٰی عَطَّارٍ فَاشْتَرٰی بِدِرْھَمٍ غَالِیَۃً وَّ ضَمَّخَ تِلْکَ الرُّقْعَۃَ مِنْھَا وَ وَضَعَھَا حَیْثُ لَا تُنَالُ))

(البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر: ج ۱۰ ص ۳۲۷)

جب شراب پیتے تھے تو اس وقت نشے کی حالت میں بھی اللہ کے نام کا پرچہ کہیں زمین پر پایا، حالتِ نشہ میں بھی اسے اٹھا کر چوما، صاف کیا اور اوپر پاک جگہ پر رکھ دیا۔ خواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے بِشر! میں تجھے آج سے اپنا ولی بناتا ہوں کہ تو نشے میں غافل تھا لیکن مجھ سے غافل نہیں تھا، میرے نام کی عظمت کرنے کے صدقہ میں تجھے اولیاء اللہ کے رجسٹر میں داخل کرتا ہوں، پھر صاحبِ کرامت بزرگ ہوئے، ننگے پیر چلتے تھے اور زمین ان کے لئے

نجاستوں کونگل لیا کرتی تھی۔بشر حافی اسی لئے کہتے ہیں کہ جب یہ آیت پڑھی اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِهٰدًا کہ اللہ نے زمین کوفرش بنایا ہےتو بے حد خوف زدہ ہو گئے، جوتا اتار دیا، ننگے پیر چلتے تھے کہ اللہ کے فرش پر بشر جوتا پہن کر نہیں چل سکتا، ایک حال غالب ہو گیا، مسئلہ نہیں ہے۔اللہ نے زمین سے فرمایا کہ میرے خوف سے بشر جوتا نہیں پہنتا لہٰذا اے زمین! جہاں بھی تو دیکھے کہ بشر آرہا ہےتو نجاست کو نگل جانا، اے زمین تو پھٹ جا اور نجاست کونگل جا تا کہ میرے بشر کے پیر میں نجاست نہ لگ جائے۔

ہم تمہارے تم ہمارے ہو چکے
دونوں جانب سے اشارے ہو چکے

ابراہیم ابن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر شرابی کا توبہ کرنا

جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی ہر وقت دیکھ بھال کرتے ہیں، سلطان ابراہیم ابن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ ایک شرابی راستے میں پڑا ہوا ہے، بہت حسین وجمیل، رئیس کا بیٹا، شراب زیادہ پی کر راستہ میں بے ہوش پڑا تھا اور قے ہو رہی تھی، فوراً انہوں نے پانی لا کر اس کا منہ دھلایا، ہاتھ پیر وغیرہ صاف کئے تو وہ ہوش میں آ گیا۔اس نے کہا کہ حضرت! میں آپ کو جانتا ہوں، آپ تو سلطنتِ بلخ خدا پر فدا کرنے والے، اتنے بڑے ولی اللہ مجھ جیسے شرابی پر آپ نے یہ عنایت کیوں کی؟ ہم تو سمجھتے تھے کہ اللہ والے گنہگاروں سے نفرت اور بغض رکھتے ہیں، آپ کے عمل سے تو معلوم ہوا کہ اللہ والوں سے بڑھ کر ہم گنہگاروں سے محبت کرنے والا شاید ہی کوئی ہو؟ لہٰذا ہاتھ بڑھایئے میں شراب سے توبہ کرتا ہوں، وَاللّٰہِ لَا اَشۡرَبُ خَمۡرًا اَبَدًا۔خدا کی قسم! آج سے میں کبھی شراب نہیں پیوں گا۔ توبہ کرتے ہی سلطان ابراہیم ابن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کو منکشف ہوا کہ اولیائے صدیقین کی آخری سرحد تک اللہ نے اس کو پہنچا دیا۔ابھی تہجد نہیں پڑھی، تلاوت نہیں کی،

اشراق نہیں پڑھی، اوابین نہیں پڑھی، صرف ابراہیم ابن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر توبہ کی۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ میں یہ واقعہ لکھتے ہیں کہ رات کو سلطان ابراہیم ابن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ سے خواب میں پوچھا کہ یااللہ! ایک شرابی کو توبہ کرتے ہی آپ نے اتنے اونچے مقام تک پہنچا دیا جہاں برسوں کے تہجد والوں کو بھی میں نے ابھی تک نہیں پایا، یہ کیا وجہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے خواب ہی میں فرمایا کہ اے سلطان ابراہیم ابن ادھم! تو نے میری محبت میں سلطنتِ بلخ فدا کی، اور میری محبت میں اور میری نسبت سے اس شرابی کا منہ دھویا اور رستے صاف کی:

((اَنْتَ غَسَلْتَ وَجْهَهٗ لِاَجْلِیْ فَغَسَلْتُ قَلْبَهٗ لِاَجْلِكَ))

(مرقاۃ المفاتیح: (رشیدیہ)؛ باب اسماء اللہ تعالیٰ؛ ج ۵ ص ۱۷۱)

تو نے میری محبت میں میرے گنہگار بندے کا منہ دھویا، میں نے تیری خاطر سے اس کا دل دھو دیا اور جس کا دل خدا دھو دے اس کے امراض و رذائل اور اخلاقِ رذیلہ کا صرف اِمالہ نہیں ہوتا، ازالہ ہو جاتا ہے۔

صحبت اہل اللہ اور چراغ کی مثال

یہ کرامت اللہ تعالیٰ نے ابراہیم ابن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کو دی کہ وہ نوجوان سب سے آگے بڑھ گیا۔ اس پر علماء نے فرمایا کہ اللہ والوں نے جتنے مجاہدات کئے ہیں ان کی خاطر سے اللہ تعالیٰ بندہ کو مختصر راستے سے سلوک طے کرا دیتے ہیں لہٰذا ان کی ایک منٹ کی صحبت کو سو برس کی عبادت سے افضل فرمایا گیا۔

یک زمانے صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

لیکن مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ سو برس کی اخلاص کی عبادت سے اہل اللہ کی تھوڑی دیر کی صحبت کیوں افضل ہے؟

وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ حضرت ہنسے اور فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہ مبالغہ معلوم ہوتا ہے، فرمایا کہ شاعر نے کم بیان کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ؎

بہتر از لکھ سالہ طاعت بے ریا

کسی اللہ والے کی تھوڑی دیر کی صحبت ایک لاکھ سال کی عبادت سے افضل ہے کیونکہ اللہ والوں سے اخلاص ملتا ہے۔ اعمال کا وجود تو ہوجاتا ہے لیکن قبول اہل اللہ کی صحبتوں سے ملتا ہے، میرے شیخ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم نے تبلیغی جماعت کے ایک بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ مدارس اور تبلیغی جماعتوں سے اعمال کا وجود ملتا ہے، اہل اللہ کی صحبتوں سے بواسطۂ اخلاص اعمال کا قبول ملتا ہے۔

تو تھوڑی دیر کی صحبتِ اہل اللہ سے قلب کا سارا درد منتقل ہوجاتا ہے، دل سے دل میں خفیہ راستے ہیں، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

کہ ز دل تا دل یقیں روزن بود

نے جدا و دور چوں دو تن بود

کہ دل سے دل تک خفیہ راستے ہیں، جسم تو الگ الگ ہوتا ہے، شیخ کا الگ اور طالب کا الگ لیکن ان کے دل آپس میں ملے ہوئے ہیں، اس پر کیا مثال دی ہے، آہ! کیا مثالوں کے بادشاہ تھے۔ فرمایا کہ چراغ اور بلب تو الگ الگ جل رہے ہیں ؎

متصل نبود سفال دو چراغ

نور شاں ممزوج باشد در مساغ

دو چراغ الگ الگ جلتے ہیں، ان کے جسم الگ الگ ہیں، لیکن ان کے انوار فضاؤں میں ملے ہوئے ہوتے ہیں، اس لئے کسی اللہ والے کے سامنے اپنے آپ کو فنا کردو۔ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تمام علمی و عملی کمالات کی نسبت

اپنے شیخ حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کی، حضرت کا ایک شعر ہے ؎

تمہاری کیا حقیقت تھی میاں آہ
یہ سب امداد کے لطف و کرم تھے

حضرت نے اپنا تخلص آہ رکھا تھا، ایک مجدد زمانہ، ڈیڑھ ہزار کتابوں کے مصنف، بڑے بڑے علماء کے شیخ نے اپنی نفی کر کے اپنے کمالات کو اپنے شیخ کی طرف منسوب کیا۔

شیخ کے سامنے مرید کو اپنی ہستی فنا کر دینی چاہیے

یہی چیز انسان کو عجب و کبر سے اور اپنے کو بڑا سمجھنے سے محفوظ رکھتی ہے اور جس کا شیخ نہ ہو تو پھر وہ اپنی طرف نسبت کرتا ہے کہ میں نے یہ کیا، میں نے وہ کیا اور جہاں "میں میں" ہو وہیں انسان ذلیل ہو جاتا ہے، یہی "میں" والی بیماری شیطان کو تھی جس نے اَنَا کہا تھا، اسی انانیت کو ختم کرنے کے لئے بڑے بڑے علماء نے بھی اللہ والوں کو اپنا شیخ بنایا، اس پر تاریخ شاہد ہے کہ بڑے بڑے علماء جو علم کے آفتاب اور ماہتاب تھے ان حضرات نے بھی اپنے نفس کو مٹانے کے لئے اور اپنی تربیت کے لئے مربی اور شیخ کا انتخاب کیا۔ کوئی شخص مربہ نہیں بن سکتا جب تک کہ اس کا کوئی مربی نہ ہو، آج مسجد و مدرسہ سے نکل کر دستار فضلیت سر پر باندھ کر فوراً مسجد میں امامت کی جگہ بناتے ہیں اور اس کے بعد مقتدیوں کے مربی بن جاتے ہیں حالانکہ پہلے خود مربہ نہیں بنے، تو جو شخص پہلے خود مربہ نہ بنا ہو وہ مربی کیسے بن سکتا ہے؟ نتیجہ یہ ہے کہ پھر لوگوں کی شکایت کرتے ہیں کہ جی! مولویوں کی عزت نہیں ہے۔ مولوی کی میم پر جب تک پیش رہے گا اس کی عزت نہیں ہوگی یعنی مولوی صاحب جب تک مُولی صاحب رہے گا، مُولی گاجر کے بھاؤ بکے گا۔ مولوی کے معنی ہیں مولیٰ والا جیسے لاہوری کے معنی ہیں لاہور والا، پشاوری کے معنی ہیں پشاور والا، لکھنوی کے معنی ہیں لکھنؤ والا۔ پس جو مولوی

اللہ والوں کی صحبت اختیار کرے گا اور اللہ اللہ کر کے مولیٰ والا بن جائے گا تو ان شاء اللہ پھر مخلوق کی مجال نہیں ہوگی کہ اس کو ذلیل کرے اور جو اس کو ذلیل کرے گا اور دھمکی دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو دھمک دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت السلام ہے، علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے السلام کی تفسیر بیان کی ہے:

((اَلَّذِیْ یُسَلِّمُ عَلٰٓی اَوْلِیَآئِہٖ فَیَسْلَمُوْنَ مِنْ کُلِّ مُخَوِّفٍ))

(روح المعانی: (رشیدیہ)؛سورۃ الحشر؛ ج ۲۸ ص ۳۵۷)

جو اپنے اولیاء کو ہر ڈرانے والے سے سلامت رکھتا ہے۔ اولیاء اللہ اور علماء دین کے معاملہ میں آج عوام کی جو جرأت ہے کہ مسجد میں گھڑی کی سوئی دیکھتے ہیں، اگر جماعت کے ٹائم سے ایک منٹ اوپر ہوگیا تو امام کے خلاف بولنے لگتے ہیں، گویا ان کے نزدیک امام لوہے کی ٹونٹی ہے کہ جب چاہا کھول دی جب چاہا بند کردی، اگر استنجاء کی وجہ سے کچھ تاخیر ہوگئی تو امام صاحب کا پانچ سات منٹ انتظار کرنا چاہیے، لیکن عوام نے امام کو غلام سمجھ رکھا ہے۔

علماءِ کرام انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک نقل فرماتے ہیں:

((اَکْرِمُوا الْعُلَمَآءَ فَاِنَّھُمْ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَآءِ فَمَنْ اَکْرَمَھُمْ فَقَدْ اَکْرَمَ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ))

(الفتح الکبیر: ج ۱ ص ۲۱۴؛ کنز العمال: (دار الکتب العلمیۃ)، ج ۱۰ ص ۶۵؛ رقم ۲۸۷۶۰)

علماء کا اکرام کرو جس نے ان کا اکرام کیا اس نے اللہ اور اس کے رسول کا اکرام کیا کیونکہ یہ انبیاء کے وارث اور نائب ہیں اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اور ارشاد ہے:

((لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یُجِلَّ عَالِمَنَا))

(کنز العمال: (دار الکتب العلمیۃ)؛ ج ۳ ص ۷۴)

جس نے علماء کی عزت نہیں کی، جس نے میری امت کے عالم کا اکرام نہیں کیا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں لہٰذا جب حضور ﷺ سے ہی رشتہ کٹ گیا تو ایسے شخص کا کیا حشر ہوگا؟ اردو کی کتابیں پڑھ کر علماء کی اصلاح مت کیجیے، مفتی نہ بنئے۔ ایک بزرگ عالم نے سجدہ میں اپنی کہنیوں کو گھٹنوں پر رکھ لیا، بعد میں ایک صاحب نے کہا کہ حدیث شریف میں ہے کہ سجدہ میں کہنیوں کو زمین سے نہ لگاؤ بلکہ کہنیاں اٹھی رہیں تو مولانا نے اس سے پوچھا کہ کیا آپ عالم ہیں؟ تو وہ کہنے لگا کہ عالم تو نہیں ہوں لیکن میں نے اردو کی کتاب میں پڑھا ہے۔ پھر مولانا نے اس سے فرمایا کہ کیا آپ کے سامنے ساری حدیثیں ہیں یا صرف ایک حدیث دیکھ کر آپ مجھ پر اعتراض کر رہے ہیں تو وہ کہنے لگے کہ ساری حدیثیں تو میرے سامنے نہیں ہیں تو مولانا نے کہا کہ تم نے مجھ پر جو اعتراض کیا تم نے گناہ کبیرہ کیا، ایک عالم کی عزت کو تم نے نقصان پہنچایا، جب تم جاہل ہو تو تمہیں اس طرح بات کرنے کا کیا حق حاصل ہے؟ اب سنئے! حضور ﷺ کی دو سنتیں ہیں، ایک جوانی کی، دوسری بڑھاپے کی۔ جب بڑھاپے میں آپ علیہ السلام کا جسم مبارک بھاری ہو گیا تھا تو آپ علیہ السلام اپنی کہنیوں سے گھٹنوں پر سہارا لیتے تھے۔

علماء سے کچھ پوچھنا ہو تو شاگردانہ طریقہ سے پوچھے

اگر کسی عالم کی کوئی چیز کھٹک رہی ہے تو کسی دوسرے عالم سے کہلواؤ، جیسے باپ سے متعلق کوئی چیز کھٹک رہی ہے تو تایا ابا سے گذارش کرو، خود آگے مت بڑھو۔ یہاں تو جس کو دیکھو خود ہی مفتی بنا ہوا ہے، یہ مفتی مفت کے ہیں، علم والے مفتی نہیں ہیں، حدیث شریف میں آتا ہے:

((اَجْرَؤُكُمْ عَلَى الْفُتْيَا اَجْرَؤُكُمْ عَلَى النَّارِ))

(کنز العمال: (دار الکتب العلمیۃ)، ج ۱۰ ص ۸۰، رقم ۲۸۹۵۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص بغیر تحقیق کے مسئلہ بتانے میں جری ہوتا ہے وہ جہنم میں جانے کے لئے جری ہوتا ہے۔ایسے مفت کے مفتی ہر مسئلہ کے بارے میں اپنا ذاتی خیال ظاہر کرتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ مسئلہ یوں ہے، اب تو ٹھیلے والا بھی کہتا ہے کہ میرے خیال میں یہ مسئلہ یوں ہے۔ان عقل کے اندھوں سے کوئی پوچھے کہ بھلا دین میں خیال بھی چلتا ہے؟ کیا دین کوئی خیالی چیز ہے؟ پہلے کتابوں میں دیکھو، اگر سمجھ میں نہ آئے تو مستند علماء سے پوچھو اور ان کے پاس سائل بن کر جاؤ، کوئی اعتراض نہ کرو، باادب انداز میں کہو کہ حضرت میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، شاگرد کی طرح پوچھو، امت کے لئے ضروری ہے کہ علماء سے شاگردانہ طریقہ سے پوچھے۔

عمامہ سے متعلق مشہور بے سند باتوں کی حقیقت

ایک غیر عالم شخص نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ عمامہ کیوں نہیں باندھتے؟ اگر عالم ہوتا تو ایسی بات نہ کرتا کیونکہ عمامہ باندھنے سے متعلق یہ باتیں مشہور ہیں کہ عمامہ باندھ کر نماز پڑھنے سے پچیس گنا زیادہ ثواب ملتا ہے اور جمعہ کے دن عمامہ باندھ کر جمعہ پڑھانے سے ستر گنا زیادہ ثواب ملتا ہے، مگر محدثِ عظیم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب موضوعاتِ کبیر میں لکھتے ہیں کہ ذٰلِكَ كُلُّهٗ بَاطِلٌ مَّوْضُوْعٌ یعنی یہ باطل اور گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔عمامے کے لئے شدت کرنے والوں کو کتابوں سے اور بڑے علماء سے رجوع کرنا چاہیے، ان کے پاس دماغ تو ضرور ہے مگر دماغ میں گرمی ہے۔سنو! فقہ کا مسئلہ ہے کہ جس زمانہ میں لوگ کسی غیر واجب عمل کو واجب سمجھنے لگیں تو اس عمل کا ترک واجب ہو جاتا ہے۔ میں نے بڑے بڑے علماء کو خود کہتے ہوئے سنا ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ صحابہ نے ٹوپی سے بھی نمازیں پڑھی ہیں، اگر عمامہ باندھ لیا جائے تو اچھا ہے، لیکن اس کو واجب سمجھ لینا جائز نہیں۔

میں ایک دفعہ ڈھاکہ گیا تو دیکھا کہ مسجد میں منبر پر ایک عمامہ رکھا ہوا ہے، اس پر بے شمار مکھیاں بیٹھی ہوئی تھیں اور بہت سارے داغ تھے، اتنے میں امام نماز پڑھانے آیا، اس نے وہ عمامہ باندھا اور نماز پڑھائی، نماز پڑھا کر عمامہ واپس منبر پر رکھ کر چلا گیا، محض مقتدیوں کے ڈر کی وجہ سے سر پہ عمامہ باندھ کر نماز پڑھائی۔ بعض مسجدوں میں مقتدی غالب ہیں، جہالت کا غلبہ ہے، امام بیچارے کے ناک میں دم کئے ہوئے رہتے ہیں، لیکن کسی صحیح عالم امام سے رابطہ ہو جائے تو صحیح مسئلہ معلوم ہو جائے گا۔ تو اس مسجد میں یہ سلسلہ ماشاء اللہ میری ایک ہی تقریر سے ختم ہو گیا، میں نے ان سے کہا کہ عمامہ کبھی باندھو اور کبھی نہ باندھو تا کہ امت اس کو واجب نہ سمجھنے لگے۔ تو حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص سے فرمایا کہ مجھے بہت مطالعہ کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے میرا دماغ گرم رہتا ہے اس لئے مجھے عمامہ باندھنے کا تحمل نہیں۔ پھر حضرت نے اس شخص سے ایک سوال کیا کہ تم مجھے اتنی تاکید سے عمامہ کے بارے میں کہتے ہو تو میں تم سے کہتا ہوں کہ تم لنگی کیوں نہیں باندھتے ہو جبکہ لنگی بھی تو سنت ہے تو وہ کہنے لگا کہ لنگی کھل جاتی ہے اور میں ننگا ہو جاتا ہوں۔

لنگی پہننے کی کس کو اجازت ہے؟

بہت سارے علاقے ایسے ہیں جہاں لنگی باندھنے کو ضروری سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ سنت غیر مؤکدہ اور سنت عادیہ میں سے ہے، لیکن لنگی باندھنے میں احتیاط بھی بہت ہونی چاہیے۔ میں نے لنگی باندھنے والوں کو دیکھا ہے، کیونکہ بنگلہ دیش کے کچھ طلباء ہمارے ہاں پڑھتے ہیں۔ ایک دفعہ میں نے رات کو معائنہ کیا تو دیکھا کہ وہ خود کہیں تھے اور ان کی لنگی کہیں تھی۔ ایک عالم ہمارے ہاں استاد تھے اور دیوبند کے فاضل تھے، لنگی باندھتے تھے، ایک دفعہ جب مچھروں نے ان کے منہ پر کاٹا تو لنگی سے اپنا منہ چھپا لیا تو بتاؤ ایسی لنگی پہننا کیسے جائز ہوگا

جوستر کو دکھائے؟ اسی لئے کہتا ہوں کہ دن کو لنگی پہنو اور رات کو پاجامہ پہنو تا کہ تمہارے اعضاء مستورہ نہ کھل جائیں خصوصاً جبکہ اور لوگ بھی ساتھ سو رہے ہوں مثلاً تبلیغی اجتماع ہو یا مدرسہ میں طلبہ کا دارالاقامہ ہو۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر میں لکھا ہے کہ اگر اکیلے بھی رہو تو ننگے مت سوؤ کیونکہ اس سے فرشتوں کو حیا آتی ہے اور ان کو تکلیف ہوتی ہے:

((لَیَسْتَحْیِ اَحَدُکُمْ مِّنْ مَّلَکَیْہِ الَّذَیْنِ مَعَہٗ کَمَا یَسْتَحْیِ مِنْ رَجُلَیْنِ صَالِحَیْنِ مِنْ جِیْرَانِہٖ وَھُمَا مَعَہٗ بِاللَّیْلِ وَالنَّھَارِ))

(الجامع الصغیر: ج ۱ص ۱۰۴۱۵)

اور کسی مسلمان کو اذیت پہنچانا حرام ہے تو فرشتوں کو اذیت اور تکلیف دینا تو اور حرام ہے۔ تو جب اس آدمی نے حضرت سے کہا کہ میرا ستر کھل جاتا ہے اس لئے لنگی نہیں پہنتا تو حضرت نے فرمایا کہ مجھے بھی گرمی لگتی ہے اس لئے عمامہ نہیں باندھتا، اس نے کہا کہ اللہ کرے آپ کی گرمی اور بڑھ جائے، حضرت نے اس کو جواباً کہا کہ اللہ کرے تم اور ننگے ہو جاؤ۔

قرآن پاک میں علماء کو اہلِ ذکر فرمانے کا راز

تو بات چل رہی تھی علماء کے احترام کی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۝﴾

(سورۃ النحل: آیۃ ۴۳)

دین کی جو بات تم نہیں جانتے وہ اہلِ ذکر سے پوچھ لیا کرو۔ جملہ مفسرین متقدمین و متاخرین سب نے لکھا ہے کہ اہلِ ذکر سے مراد اہلِ علم ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اہلِ علم کو اہلِ ذکر سے کیوں تعبیر کیا؟ میرے شیخ شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اصلی اہلِ علم وہ ہیں جو بہت زیادہ اللہ کی یاد میں غرق ہیں، اسی وجہ سے ان کا نام ہی اللہ تعالیٰ نے اہلِ ذکر رکھ دیا۔

حکیم الامت، مجدد الملت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں صوفیوں کے ساتھ بھائیوں کی طرح محبت کرتا ہوں لیکن علماء سے مثل باپ کے محبت کرتا ہوں یعنی جس طرح اپنے باپ کی عزت کرتے ہو ایسے ہی اپنے علماء کی عزت کرو اور ذرا ذرا سی بات پر بدگمانی، اعتراض یا غیبت کر کے اللہ کے غضب کو دعوت نہ دو، جس میں خود برائیاں ہوتی ہیں اس کو ہر شخص میں برائیاں نظر آتی ہیں۔

کفار کو اسلام کی تبلیغ ایک مستحب عمل ہے، فرض نہیں

بعض اوقات غیر عالم لوگ حدودِ شریعت سے واقف نہ ہونے کے سبب عوام میں تبلیغ دین کی فضیلت پر اس طرح تقریر کرتے ہیں کہ مثلاً بعض ساتھی تبلیغ کے لئے جاپان گئے اور وہاں جا کر انہوں نے اذان دی، نماز پڑھی اور چٹنی روٹی کھا کر سو گئے تو وہاں کے کافر کہنے لگے کہ ارے ان کو تو بغیر نشہ ہی نیند آ گئی جبکہ ہم ہیروئن کھا رہے ہیں، نشہ کی گولیاں کھا رہے ہیں اور پھر بھی نیند نہیں آتی اور یہ مسلمان جو اللہ کے راستہ میں نکلے ہیں ان کا مذہب تو بڑا اچھا ہے اور آٹھ دس آدمی ان کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔ پھر یہ نادان مبلغ علماء پر بھی تنقید کرنے لگتے ہیں کہ جو کام ہم عوام تبلیغ میں کر رہے ہیں وہ علماء بھی نہیں کر رہے، یہ سخت نادانی و بدفہمی ہے۔ بات یہ ہے کہ اہل کفر تو اپنے کفر اور خدا سے دوری کی لعنت کے باعث پریشان ہیں، بے چین ہیں، وہ جب دیکھتے ہیں کہ اللہ کی عبادت کر کے یہ لوگ چٹنی روٹی کھا کر سو گئے تو وہ اسی سے اسلام لے آتے ہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کی تعریف اس حیثیت سے تو کرو کہ انہوں نے ایک مستحب عمل کیا لیکن ان کو علماء پر فضیلت مت دو کیونکہ علماء بخاری شریف پڑھا رہے ہیں، علوم نبوت کی حفاظت اور نشر و اشاعت کر رہے ہیں جو فرض ہے اور تبلیغ میں جانا فرض نہیں ہے البتہ ایک مستحب اور پیارا عمل ہے۔ پس جو لوگ علماء کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ کل کافر قیامت کے دن علماء کا گریبان پکڑیں گے کہ تم لوگ اپنے

مدرسوں میں پڑے رہے اور ہمیں کفر کی تاریکی سے نہیں نکالا تم نے ہمیں دوزخ میں کیوں جانے دیا؟ تو ایسے لوگ سخت نادان اور بے عقل ہیں۔ اس طرح کی باتوں کا یہ اثر ہوتا ہے کہ عوام الناس کے دماغ میں علماء کی بے وقعتی آجاتی ہے۔

اب میں مسئلہ بتاتا ہوں کہ بقول ان لوگوں کے اگر ان کافروں کو اسلام پہنچانا مستحب نہیں، فرض ہے تو ہمارے جتنے بھی بزرگ گذرے ہیں مثلاً شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ صاحب، امام ابوحنیفہ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہم، یہ تبلیغ کے لئے امریکہ اور جاپان نہیں گئے تو یہ سب کے سب کیا ہیں؟ یہ سب کے سب تارکِ فرض ہوئے یا نہیں؟ اور تارکِ فرض ولی اللہ نہیں ہوسکتا تو گویا بارہ سو برس تک کوئی ولی اللہ ہی نہیں ہوا۔ اسی لئے میں نے ایک بہت بڑے مفتی صاحب سے جب مسئلہ پوچھا کہ علماء کے متعلق اس طرح بیان کرنا کیسا ہے؟ جو لوگ جاپان جاکر مسلمان بنارہے ہیں یہ لوگ زیادہ افضل ہیں یا علماء جو بخاری پڑھارہے ہیں؟ تو مفتی صاحب ہنسے کہ جو لوگ تبلیغ کا مبارک کام کررہے ہیں، وہ مستحب میں مشغول ہیں فرض میں نہیں، ان کا یہ خیال بالکل غلط اور جہالت پر مبنی ہے۔

علم اور علماء کرام کی تحقیر حرام اور کفر ہے

اس بات سے شریعت کی حدود کا علم ہوگیا کہ کیا فرض ہے اور کیا نہیں؟ اس لئے ایسا عنوان اختیار کرنا جس سے علماء کی بے وقعتی اور تحقیر ہوتی ہو حرام ہے۔ اگر آلو، سبزی، گوشت بیچنے والے تبلیغ میں جاکر علماء سے کہیں کہ بھئی آپ جو علمِ دین پڑھ پڑھارہے ہیں یہ کچھ نہیں ہے، جاکر تبلیغ میں چلہ لگاؤ اور اگر کسی عالم کے متعلق معلوم ہوگیا کہ اس نے چلہ نہیں لگایا ہے تو اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ ارے میاں! یہ سب ایسے ہی حجروں میں بیٹھے ہوئے ہیں، ان سے دین کا کوئی کام نہیں ہورہا ہے تو اس پر قرآن پاک سے دلیل سنو۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ میں جہاں اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ نازل کیا کہ بھلی بات

بتاتے ہیں اور بری بات سے روکتے ہیں وہیں یہ بھی فرمایا وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ۔ اللہ کے دین کی حدود کی حفاظت بھی کرتے ہیں اور قانون اور حدود کی حفاظت وہ کرے گا جو حدود کو جانے گا اور حدود کو جاننے والے علماء ہیں۔ تو علماء سے استغناء اور ان کو اس بناء پر حقیر سمجھنا کہ وہ تبلیغ کرنے جاپان نہیں گئے، امریکہ نہیں گئے اور یہ کہ وہ چھوٹے سے کنوئیں میں مینڈک کی طرح بیٹھے ہیں اور دین کی تبلیغ کے بین الاقوامی کام سے جڑے ہوئے نہیں ہیں سخت بے ادبی ہے، ایسے شخص کو قیامت کے دن پتا چلے گا کہ علماء کی تحقیر کتنا بڑا جرم ہے۔ علماء کی اہانت کو شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کفر لکھا ہے، یہ جرمِ عظیم ہے۔

بینات میں ایک مضمون شائع ہوا تھا کہ کوئٹہ میں اجتماع ہوا، اس اجتماع میں علماء کرام کی تقاریر کے بعد ایک غیر عالم کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ مولویوں کی باتیں تو آپ نے سن لیں، اب عمل کی بات کرو، بولیں بھئی بولیں! چلہ، سال کی جماعتوں کے لئے نام بولیں۔ حاملانِ وحی، جن کے سینوں میں قرآن وحدیث ہے، ان کے ساتھ اس طرح حقارت کا عنوان اختیار کرنا علماء کرام کے خلاف نفرت اور حقارت پیدا کرنا ہے، حدودِ شریعت کی حفاظت بہت ضروری ہے۔ لہٰذا اس طرح کا کوئی طرز اختیار مت کرو کہ گویا علماء کو گرفت میں لانا چاہتے ہو کہ مولوی لوگ جو مدرسوں میں پڑھا رہے ہیں وہ سب بے کار ہیں۔ علماء کی جوتیوں کی خاک کو اپنے سے افضل سمجھو۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو علماء ربانین کی حقارت کرتا ہے اس کی قبر کو کھود کر دیکھو، اس کا منہ قبلہ سے پھیر دیا جاتا ہے۔

عالم کی غیر عالم پر فضیلت

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ مبارک ہے:

﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ﴾

(سورة المجادلة: آية ١١)

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا درجہ بلند کرتا ہے،تو عالم بھی تو ایمان والے ہیں، ان کی تعریف تو ان میں شامل تھی لیکن آگے فرماتے ہیں وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ان کو الگ کیوں بیان کیا گیا؟ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((فَضَّلَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاُوْتُوا الْعِلْمَ (الشَّرْعِیَّ) عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُؤْتُوا الْعِلْمَ بِدَرَجَاتٍ کَثِیْرَةٍ جَلِیْلَةٍ))

(روح المعانی:(رشیدیہ)؛سورۃ المجادلۃ ؛ج ۲۸ ص ۳۱۲)

اہلِ علم ایمان والوں کو غیر اہلِ علم ایمان والوں پر درجات کثیرہ کی فضیلت ہے، سارے مومن کتنے ہی مبلغ ہوجائیں، کتنے ہی عابد ہوجائیں، اتنی کرامت ہوجائے کہ آسمانوں میں اڑنے لگیں لیکن علماء کے درجات کے مقابلہ میں نہیں آسکتے۔علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں علماء کو الگ بیان کرکے جتنی عزت بخشی ہے کسی اور کو ایسی عزت عطا نہیں فرمائی۔ پھر چھ سے زائد احادیث مبارکہ علم اور علماء کی فضیلت میں لکھی ہیں اور ان میں بھی اس حدیث کو سب سے بڑی امید والی حدیث قرار دیا ہے:

((وَاَرْجٰی حَدِیْثٍ عِنْدِیْ فِیْ فَضْلِهِمْ مَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَجْمَعُ اللّٰهُ الْعُلَمَآءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَیَقُوْلُ اِنِّیْ لَمْ اَجْعَلْ حِکْمَتِیْ فِیْ قُلُوْبِکُمْ اِلَّا وَاَنَا اُرِیْدُ بِکُمُ الْخَیْرَ اِذْهَبُوْا اِلَی الْجَنَّةِ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ عَلٰی مَا کَانَ مِنْکُمْ))

(رواہ ابو حنیفۃ فی مسندہ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ)(روح المعانی:(رشیدیہ)؛ ج۲۸ ص ۳۱۲)

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن علماء کو جمع فرمائیں گے اور فرمائیں گے کہ میں نے تمہارے قلوب میں علم و حکمت نہیں رکھی تھی مگر اس لئے کہ میں تمہارے ساتھ بھلائی کا ارادہ رکھتا تھا، پس جاؤ اور جنت میں داخل ہوجاؤ اور میں نے تمہارے گناہوں کو معاف کردیا جو تم سے صادر ہوئے تھے۔اس لئے بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ کوئی ایسی بات نہ کرو جس سے عوام کے دل میں علماء کی عظمت کم ہو، اگر عوام میں علماء کی عظمت نہ ہوگی تو بڑا فتنہ پیدا ہوگا۔ پھر نتیجہ

کیا ہوگا کہ علماء کو بھی نفرت پیدا ہوجائے گی جس سے دونوں کو نقصان پہنچے گا۔ علماء کو کم پہنچے گا عوام کو زیادہ پہنچے گا، علماء کو یہ کہ عوام کی خدمت کی سعادت نہیں ملے گی اور عوام علماء سے متنفر ہوکر بالکل ہی محروم ہوجائیں گے، نہ صحیح راستہ پر رہیں گے نہ حدود کا خیال کریں گے۔

عالم کے قلم کی سیاہی شہید کے خون کے برابر وزن ہوگی

پس جو لوگ خود کو علماء سے دور رکھتے ہیں تو یہی علماء تو مساجد میں ائمہ ہیں، مدارس میں پڑھا رہے ہیں، خانقاہوں میں تزکیہ و اصلاح کا کام کر رہے ہیں، دین کے تمام شعبوں سے جس کو دور ہونا ہو وہی علماء سے بے نیاز رہ سکتا ہے۔ اگر سارے ڈاکٹر بستر لے کر گاؤں گاؤں نکل جائیں اور بیمار لوگ ڈاکٹر کے کلینک پہنچیں تو معلوم ہو کہ وہ گشتی شفاخانہ لے کر تین چلے لگانے گئے ہیں تو مریض کا کیا حال ہوگا؟ لہٰذا جس طرح ان ڈاکٹروں کی قدر کرتے ہو جو دکان لئے شہروں میں بیٹھے ہیں اسی طرح ان علماء، حفاظ، قراء کو بھی عزت سے دیکھو جو شہر میں کام کر رہے ہیں، نورانی قاعدہ پڑھانے والے کی بھی عزت کرو، بخاری شریف پڑھانے والے کی بھی عزت کرو، دین کے جس کام میں جو لگا ہوا ہے اس کو فریق مت بناؤ رفیق بناؤ۔ کفار کو اسلام پہنچانا مستحب عمل ہے اور دین کی حفاظت کرنا فرض ہے۔ جو قرآن پاک کی حفاظت کر رہا ہے، حدیث پاک کی حفاظت کر رہا ہے وہ فرض کام میں لگا ہوا ہے اور آپ بتائیں کہ جو فرض میں لگا ہوا ہے وہ اہم ہے یا جو نفل میں لگا ہوا ہے وہ اہم ہے؟ فرض میں مشغول ہونے والے کو مستحب میں مشغول ہونے والے سے کمتر سمجھنا جہالت ہے۔ بادشاہ ایئر کنڈیشن میں بیٹھا ہوا دستخط کرتا ہے تو کیا اس کی عظمت کو وہ مزدور پا سکتا ہے جو ٹھیلہ کھینچ رہا ہے؟ لوگ کہتے ہیں کہ صاحب ہم نے تو جنگلوں میں، دریاؤں میں پسینے گرائے ہیں اور مولوی لوگ پنکھوں کے نیچے بیٹھ کر بخاری پڑھا رہے ہیں تو مولانا لوگ

ہمارے برابر کیسے ہوسکتے ہیں؟ اب پسینہ کی قیمت بھی سن لو! ہر شخص کے پسینہ کی قیمت اس کی عقل وفہم اور دین کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ کیا ساری امت کا پسینہ نبی کے ایک قطرہ پسینہ کے برابر ہوجائے گا؟ نبی کے ایک قطرۂ خون کے برابر کیا ساری امت کا خون ہوسکتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

((يُوْزَنُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِدَادُ الْعُلَمَآءِ وَدَمُ الشُّهَدَآءِ فَيُرْجَحُ مِدَادُ الْعُلَمَآءِ عَلٰى دَمِ الشُّهَدَآءِ))

(مرقاة المفاتيح: (رشيديه)، باب صفة الجنة واهلها، ج ١٠ ص ٢٨١)

کہ جس روشنائی سے علماء کتاب لکھتے ہیں وہ روشنائی قیامت کے دن شہیدوں کے خون کے برابر وزن ہوگی، ہمارے علماء مدارس میں علماء تیار کرتے ہیں، یہ علماء اور مدارس دین کی فیکٹریاں ہیں، ٹھیلے والے کو چاہیے کہ فیکٹری کو حقیر نہ سمجھے، فیکٹریاں بند ہوجائیں گی تو تمہارے ٹھیلے پر ایک کپڑا، ایک مال بھی نظر نہیں آئے گا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تبلیغ کا حکم ان الفاظ میں نازل کیا ہے:

﴿بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ﴾

(سورة المآئدة: آية ٦٧)

یعنی جو نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو، اب اگر کسی کے پاس مَآ اُنْزِلَ نہیں ہے تو وہ کیا تبلیغ کرے گا؟ مَآ اُنْزِلَ ہی کی تو تبلیغ کرنی ہے۔ اس لئے علماء کو اس بناء پر حقیر سمجھنا کہ یہ بستر اٹھا کر چلّہ پر نہیں جاتے بالکل حرام ہے، جب ایک ادنیٰ مسلمان کو حقیر سمجھنے سے جنت میں داخلہ نہیں ملے گا تو علماء کو حقیر سمجھنا کیسے جائز ہوگا؟ آج انہی علماء کی برکت سے قرآن پاک کے الفاظ و معانی کی حفاظت ہورہی ہے، بعثت نبوت کے مقاصد میں سے تعلیم کتاب بھی ہے۔

اپنے نفس کا تزکیہ کرانا علماء کے لئے بھی لازم ہے

لیکن علماء بھی خوش نہ ہوں کہ بس ہم تو بہت بڑے ہوگئے، علماء کو بھی

اپنے نفس کو مٹانا فرض ہے۔ مدارس کے علماء کے لئے بھی ضروری ہے اور اہلِ تبلیغ کے لئے بھی ضروری ہے کہ اخلاص حاصل کرنے کے لئے اہل اللہ کی صحبت میں تزکیۂ نفس کرائیں، تزکیۂ نفس کا شعبہ بھی مقاصد نبوت میں سے ہے، تزکیۂ نفس پر اعمال کی قبولیت کا مدار ہے۔ لیکن کسی شیخِ کامل کے بغیر اصلاح نہیں ہوسکتی ورنہ مولانا تھانوی، مولانا گنگوہی اور مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہم جیسے علماء ایک غیر عالم حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے کیوں اصلاح لیتے؟ خواہ کتنا ہی قابل ہو لیکن رَأْیُ الْعَلِیْلِ عَلِیْلٌ بیمار کی رائے بیمار ہوتی ہے۔ حکیم اجمل خاں بھی جب بیمار ہوتے تھے تو دوسرے حکیم سے علاج کرواتے تھے لہٰذا یہ اکابر علماء علم وفضل کے باوجود اپنے نفس کی اصلاح کے لئے حاجی صاحب کے پاس گئے اور ان کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا۔ جب علماء اہل اللہ ومشائخ سے تعلق کرتے ہیں اور اپنا ہاتھ کسی اللہ والے کے ہاتھ میں تزکیہ کے لئے دیتے ہیں اور وہ مشائخ دیکھتے ہیں کہ اس عالم کے دل میں کچھ بڑائی آ گئی ہے تو اس سے مجاہدہ کراتے ہیں تاکہ ان کے نفس سے تکبر نکل جائے، علم کا احساس نکل جائے، علم کا نشہ اتر جائے اور عوام کو یہ حقیر نہ سمجھیں۔ چنانچہ ہمارے تمام بزرگانِ دین اور بڑے بڑے علماء نے بزرگوں کی جوتیاں اٹھائیں اور نفس کا تزکیہ کرایا اسی لئے ان کا سارے عالم میں ڈنکا پٹ گیا، ان کے علم کی خوشبو تمام عالم میں پھیل گئی۔ چنانچہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تھانہ بھون میں ایک مرتبہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر روٹی رکھ دی اور روٹی پر آلو کی ترکاری رکھ دی اور فرمایا کھائیے! مولانا گنگوہی فرماتے ہیں کہ حاجی صاحب گوشۂ چشم سے مجھے دیکھ بھی رہے تھے کہیں اس کو تغیر تو نہیں ہے کہ شیخ نے میری کیا بے وقعتی کی۔ مولانا گنگوہی فرماتے ہیں کہ اس وقت میری روح مست ہو رہی تھی کہ کہاں یہ میری قسمت کہ شیخ اس طرح میرے نفس کو مٹائے۔

علماءِ کرام کی محبت اور عظمت سرمایۂ آخرت ہے

یہ باتیں اس لئے عرض کر دیں تاکہ ہمارے دلوں سے اپنے مشائخ، بزرگانِ دین، علماءِ کرام کی عظمت جو ہماری نجات کا سرمایہ ہے وہ قائم رہے۔ سن لو! میں اپنے بزرگوں کی محبت کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں اور یہ میرا ہی قول نہیں بلکہ تبلیغی جماعت کے ایک بہت بڑے شخص مولانا عبدالعزیز دعاجو رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے جن کی قبر ٹنڈو آدم میں ہے۔ جب ان کا انتقال ہونے لگا تو انہوں نے مفتی رشید احمد صاحب کو بلایا اور مفتی صاحب نے یہ مجھ سے خود بیان فرمایا کہ مولانا عبدالعزیز صاحب نے مرتے وقت یہ فرمایا کہ اے مفتی رشید احمد! تم گواہ رہنا کہ عبدالعزیز مولانا گنگوہی، مولانا قاسم نانوتوی، مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہم کے مسلک پر مر رہا ہے۔ شاہ صاحب تبلیغی جماعت کے آدمی تھے، ساری زندگی انہوں نے تبلیغی جماعت میں لگائی لیکن مسلک کے اعتبار سے اپنے بزرگوں کی محبت اور تعلق کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

مولانا ماجد علی جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعۂ بیعت

یہ چند باتیں بزرگوں سے سنی ہوئی عرض کر دیں کہ خالی نرے علم اور پڑھنے پڑھانے پر ناز نہ کرنا، یہ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں، فرماتے ہیں کہ علمائے کرام کی شان میں باادب گزارش کرتا ہوں کہ خالی پڑھنے پڑھانے پر ناز نہ کرنا، کاملین کی صحبت، اہل اللہ کی صحبت اور اپنے نفس کی دیکھ بھال، اصلاح و تزکیہ کی طرف رجوع رکھنا۔ اور مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ عجیب جملہ ارشاد فرماتے تھے جو میں نے اپنے شیخ مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے بارہا سنا۔ میرے شیخ نے حدیث مولانا ماجد علی جونپوری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی تھی اور مولانا ماجد علی جونپوری نے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی تھی۔

میرے شیخ کے استاذِ حدیث مولانا ماجد علی جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کا بیعت کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا ماجد علی جونپوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ مولانا یحییٰ صاحب تو حضرت سے بیعت تھے اور مولانا ماجد علی صاحب بیعت ہونے سے اپنی جان چھڑاتے تھے، کہتے تھے کہ ہمیں بیعت سے مناسبت نہیں ہے، آزاد رہنا چاہتے تھے۔ مولانا یحییٰ صاحب نے ایک دن سوچا کہ ماجد علی میرا ساتھی ہے، ساتھ پڑھنے والا، اس کو کسی طرح پھنسایا جائے، میرا دوست اپنی نادانی سے ایک قطبِ ربانی، عالم ربانی سے محروم ہو رہا ہے۔ ایک دن مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے استاد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت! ماجد علی کو آپ بیعت فرما لیجیے۔ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے سمجھا کہ شاید انہوں نے وکیل بنایا ہوگا، بغیر وکالت کے کیسے کہہ دیں گے؟ لہٰذا ہاتھ بڑھا دیا۔ اب کون ظالم ہے کہ اتنا بڑا شیخ، قطب العالم ہاتھ بڑھائے اور وہ اپنا ہاتھ کھینچ لے، بس بیعت ہو گئے، بعد میں مولانا یحییٰ صاحب سے خوب لڑے کہ تم نے آج زبردستی پھنسا دیا۔ لیکن میرے حضرت نے مجھ سے فرمایا، مولانا ماجد علی نے میرے شیخ سے فرمایا اور میرے شیخ نے مجھ سے فرمایا، بیچ میں ایک ہی راوی ہے کہ میرے استاد مولانا ماجد علی رحمۃ اللہ علیہ تمام زندگی مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھتے تھے کہ اے مولوی یحییٰ! میں آپ کی اس محبت کا ممنون ہوں ورنہ ماجد علی آزاد رہ جاتا، اتنے بڑے عالم ربانی، قطب العالم کے فیضِ صحبت سے محروم رہ جاتا، اللہ تمہیں دونوں جہان میں جزا دے کہ تم نے زبردستی اس طرح سے مجھے ایک عظیم الشان خیر سے آشنا کر دیا۔

حدیث شریف پڑھنے پڑھانے کا مزہ

مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ جملہ سن لیجیے جو میں نے بواسطۂ شیخ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے سنا، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حدیث پڑھنے کا

مزہ اور پڑھانے کا مزہ جب ہے جب پڑھانے والا بھی صاحبِ نسبت ہو اور پڑھنے والا بھی صاحبِ نسبت ہو، یہ جملہ ابھی یاد آیا۔ علم کی نعمت بہت بڑی نعمت ہے مگر وہ علم جو تربیت یافتہ ہو اہل اللہ کا، خالی کتب بینی سے جو علم حاصل ہوتا ہے اس کا بھروسہ نہیں۔ علم اصل میں وہ ہے جس میں اللہ والوں کی صحبت کی برکت بھی ہو، اہل اللہ کا تربیت یافتہ ہو، کتب بینی کے ساتھ بڑے قاف سے قطب بینی بھی کی ہو، جب چھوٹا کاف بڑا قاف دونوں ملتے ہیں تب جا کے کام بنتا ہے۔

علماء کی عظمت پر آج میں نے جو بیان کیا اس پر اللہ پاک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہم سے خوش فرما دیں کیونکہ علماء کی عزت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہوتے ہیں۔ علماء کو اللہ تعالیٰ نے بڑی عظمت عطا فرمائی ہے، علماء وارثین انبیاء ہیں اور حدیث میں ہے کہ تین قسم کے لوگوں کو شفاعت کا حق ملے گا:

((يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَةٌ اَلْاَنْبِيَآءُ ثُمَّ الْعُلَمَآءُ ثُمَّ الشُّهَدَآءُ))

(مرقاۃ المفاتیح: (رشیدیہ)؛ ج ۱۰ ص ۲۸۰)؛ (تفسیر مظہری؛ فیض القدیر)

انبیاء کرام، علماء اور شہداء قیامت کے دن شفاعت فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نصیب فرمائے اور عمل کی توفیق دے۔

دیکھو! مضمون نیا تھا یا نہیں؟ نئے جام و مینا عطا ہو رہے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا فضلِ خاص ہے، بزرگوں کی دعاؤں کا صدقہ ہے کہ میں کچھ اور بات سنانے کا ارادہ کر کے آیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے عالمِ غیب سے بھیک دے دی، میں تو بھک منگا ہوں، اللہ تعالیٰ سے بھیک مانگ کر بیٹھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے اور جو لوگ اس وقت حاضر ہیں ان کو مبارک باد پیش کرتا ہوں، جو نہیں آئے ان کا مجھے غم بھی ہے لیکن کیا معلوم کس کی قسمت سے یہ بھیک ملی، جس کی قسمت میں تھا وہ آ گئے، دستر خوان پر سب تو نہیں آتے، میزبان جس کو بلاتا ہے وہی آتے ہیں۔ حق تعالیٰ میزبانِ حقیقی ہیں لہٰذا جس جس کی قسمت میں تھا وہ آ گئے۔

آج بدھ کا دن ہے اور ہمارے مدرسہ میں مشکوٰۃ شریف کا افتتاح ہورہا ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ صاحبِ ہدایہ بھی بدھ ہی کے دن اپنے اسباق شروع کرتے تھے، میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اور بہت سے اکابر کا بھی یہی معمول رہا ہے۔اب ان دونوں علماء حضرات میں سے کوئی صاحب برکت کے لئے تشریف لے آئیں، نہ برکت کا خیال کریں تو میں نے اسی کام کے لئے بلایا ہے، جس کام کے لئے کسی کو بلایا جائے تو بہانہ بازی کرکے راہِ فرار اختیار کرنا نامناسب ہے، میزبان کی دل شکنی ہے لہٰذا میں مولانا حبیب اللہ مختار صاحب سے کہوں گا کہ آپ بسم اللہ کرادیجئے، آپ کی طرف زیادہ طلباء کی توجہ ہے۔اب اس پر بھی ایک قصہ سن لیجیے، میرے شیخ نے اپنے شیخ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں آپ مجدد ہیں، اس کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ میرے شیخ ،حضرت حکیم الامت سے بے تکلف تھے، عمر میں صرف تیرہ برس چھوٹے تھے۔تو حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ بھئی! ایک بھینس کے بچے نے بھینس سے پوچھا کہ اماں ری اماں! پدُمنی کسے کہے ہیں؟ تو بھینس نے کہا کہ چپ چپ! لوگوں کا خیال میری ہی طرف ہے۔ پھر حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہوگئے تو حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دوبارہ پوچھا کہ حضرت! اور واضح کیجیے، ابھی تو یہ بات واضح نہیں ہوئی، فرمایا کہ ہاں بھئی! میرا بھی یہی خیال ہے۔تو اس وقت ہمارے طلبہ کا خیال مولانا حبیب اللہ مختار صاحب کی طرف ہے اور میری بھی آپ سے گزارش ہے کہ آپ سبق کی ابتداء کرادیجئے۔

نوٹ: اس کے بعد حضرت والا دامت برکاتہم کے ارشاد پر حضرت مولانا حبیب اللہ مختار صاحب مدظلہ نے اسباق کا افتتاح کروایا اور یہ مبارک تقریب اختتام کو پہنچی۔(جامع)

(سن ۸ ہجری میں غزوہ طائف وحنین ہوا، جس میں عجیب وغریب حالات وواقعات پیش آئے۔ مثلاً)

(۱)۔آپ ﷺ ایک قبر کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ یہ ابورغال کی قبر ہے۔ یہ قبیلہ ثقیف کا جداعلیٰ اور قوم ثمود میں سے تھا، اس کے ساتھ سونے کی سل بھی دفن کی گئی تھی۔ صحابہ نے وہ جگہ کھودی تو اس سے سونے کی سل برآمد ہوئی جو بیس رطل سے زیادہ وزنی تھی (تقریباً نو دس کلو)۔ یہ آنحضرت ﷺ کا معجزہ تھا۔ (۲)۔طائف سے واپسی میں آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم فرمایا، وہ اذان دینے لگے، ایک سولہ سال کا لڑکا جس کا نام ابومحذورہ تھا، اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کی نقل اتارنے لگا، اس لڑکے کی آواز بہت اچھی تھی۔ آپ ﷺ نے سنا تو اسے بلوایا، ابومحذورہ کو آپ کے سامنے کھڑا کردیا گیا، انہیں اندیشہ ہوا کہ اس حرکت پر قتل کیا جاؤں گا مگر آپ ﷺ نے نہایت شفقت سے ان کے سر اور سینہ پر ہاتھ پھیرا، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کا قلب ایمان ویقین سے بھر دیا، فوراً مسلمان ہوگئے، آپ نے اہل مکہ کا مؤذن مقرر فرمایا، مدۃ العمر تک مکہ کی مؤذنی ان کی اولاد میں رہی۔ (۳) مال غنیمت جب تقسیم ہوا تو آپ ﷺ نے نئے مسلمانوں کو اسلام سے قریب کرنے کے لئے کچھ مال، اونٹ، بکری زیادہ دے دیں۔ انصار کے چند نوجوانوں نے آپس میں کہا کہ جہاد تو ہم نے کیا اور مال دوسروں کو ملا۔ آپ ﷺ کو اطلاع ہوئی تو انصار کو بالکل الگ جمع کیا، کوئی دوسرا نہیں تھا، ارشاد فرمایا: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ لوگ تو اونٹ، بھیڑ، بکریاں لے کر گھر لوٹیں اور تم رسول اللہ ﷺ کو ساتھ لے کر جاؤ۔ عرض کیا ہم دل و جان سے راضی ہیں۔ فرمایا میرے بعد صبر کرنا تا آنکہ مجھ سے حوض کوثر پر ملو، فتح الباری میں ہے کہ قوم انصار رونے لگی یہاں تک کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہوگئیں۔ (۴)۔طائف میں آپ ﷺ نے پانی کا ایک پیالہ لیا، اس میں ہاتھ منہ دھوئے اور کلی کی، پھر صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا، اس پانی سے پیو اور اپنے جسموں پر ڈالو اور بشارت قبول کرو۔ آپ کی زوجہ محترمہ، امت کی ماں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے پردہ کے پیچھے سے صحابہ کو آواز دی کہ کچھ اپنی ماں کے لئے بھی بچا رکھو۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وہ پانی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بھی دیا اور انہوں نے اس سے برکت حاصل کی۔ (۵)۔اس جنگ میں چھ ہزار قیدی، ۲۴ ہزار اونٹ، ۴۰ ہزار بکریاں قبضہ میں آئیں لیکن آپ ﷺ کی دائی حضرت حلیمہ سعدیہ، ان کے شوہر حارث اور بیٹی شیما رضی اللہ عنہم قیدیوں کی سفارش لے کر آگئے۔ آپ ﷺ نے خود اور آپ کی سفارش پر تمام مسلمانوں نے سب قیدی واپس کردئے۔

(از عہد نبوت کے ماہ وسال مصنفہ مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ : ص ۳۱۰)